اخلاقِ مسئولین

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان

رہبرِ معظم انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمیٰ

سید علی خامنہ ای (حفظہ اللہ) نے فرمایا:

مسئولین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

”اگر ہم اپنے نفس پر یا اپنی خواہشاتِ نفسانی پر غلبہ نہ پا سکیں (تو کوئی فائدہ نہیں) کہ جو سخت ترین کام ہے لیکن یہی سخت ترین کام ہمیں بلند ترین مقام پر پہنچا سکتا ہے اور یہی اساسی و بنیادی نکتہ ہے۔“

المہدیؑ ادارۂ تربیت اسلامی

آئی ایس او پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

دعائے امام زمانہؑ

اَللّٰھُمَّ کُنْ لِوَلِیِّکَ الْحُجَّۃِ بْنِ الْحَسَنِ

صَلَوَاتُکَ عَلَیْہِ وَعَلٰی آبَائِہٖ فِیْ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ

وَفِیْ کُلِّ سَاعَۃٍ وَلِیّاً وَحَافِظًا وَقَائِدًا وَنَاصِرًا وَ

دَلِیْلاً وَعَیْنًا حَتّٰی تُسْکِنَہٗ اَرْضَکَ طَوْعًا وَ

تُمَتِّعَہٗ فِیْھَا طَوِیْلاً

اخلاقِ مسئولین

یہ کتابچہ اخلاقِ مسئولین کے موضوع پر امام خمینیؒ کی فرمائشات پر مبنی ہے۔

المہدی (عج) ادارۂ تربیت اسلامی آئی ایس او پاکستان

فہرست

مقدمہ ۵

اخلاق کا معنیٰ ۸

نظامِ اسلامی کے مسئولین ۱۰

1) اخلاقِ مسئولین کے بنیادی اصول ۱۱

۱۔ایمان ۱۱

۲۔تقویٰ ۱۴

۳۔تزکیہ وتہذیب نفس ۱۶

تزکیہ وتہذیب نفس نہ ہونے کے نقصانات ۱۸

الف) لوگوں کیلئے مشکلات کھڑی کرنا ۱۸

ب) اختلاف پیدا کرنا ۱۸

ج) طغیان وسرکشی ۱۹

د) دنیا وآخرت میں ہلاکت ۱۹

۴۔امانت داری ۲۰

۵۔عدل گرائی ۲۱

2) مسئولین کی انفرادی واجتماعی سیرت ۲۴

۱۔ اخلاص ۲۴

۲۔ غلطی کا اعتراف ۲۸

۳۔ اعتماد بہ نفس ۳۱

۴۔انتقاد پذیری ۳۳
شرائط انتقاد وانتقاد پذیری ۳۴
۵۔ بیت المال کے استعمال میں نظم وضبط ۳۷
۶۔تواضع وانکساری ۳۹
۷۔خدمت گزاری ۴۳
۸۔سادہ زندگی بسر کرنا ۴۴
۹۔صبر واستقامت ۴۶
۱۰۔عفو واحسان ۴۹
۱۱۔قانون کی حکمرانی ۵۲
۱۲۔مشاورت ۵۴
۱۳۔نظم وضبط ۵۶
3) مسئولین کیلئے اخلاقی مشکلات ورکاوٹیں ۵۷
۱۔اختلاف ۵۸
۲۔چاپلوسی ۶۰
۳۔حرص ۶۳
۴۔دشمنی ۶۴
۵۔زوروزبردستی ۶۶
۶۔بدعنوانی ۶۹
۷۔قدرت طلبی ۷۲
۸۔کام چوری ۷۵

❁❁❁❁❁

اخلاقِ مسئولین

مقدمہ:

لوگوں سے نیک اور مناسب سلوک اسلام کے لازمی دستورات میں سے ہے۔ دین اسلام دوسروں کے ساتھ حسن اخلاق کی سفارش کرتا ہے اور دوسروں سے پسندیدہ معاشرت کی نصیحت کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ معاشرہ کے رہبر اور حاکم تھے، خداوند تعالیٰ اُن کے اخلاق کی بدولت ان کی مدح سرائی کرتا ہے۔

''وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظيم''

''آپؐ خلق عظیم کے مالک ہیں۔'' (قلم:٦٨)

حسن خلق کا تعلق ایسی صفات حمیدہ سے ہے جسکی روایات میں بڑی تاکید کی گئی ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے حسن خلق کو نصف دین کہا ہے۔

''حُسْنُ الْخُلُقِ نِصْفُ الدِّينِ''

''حسن خلق نصف دین ہے۔'' (الخصال: ص ٣٠)

امام خمینیؒ نے چہل حدیث میں حسن خلق کے بارے متعدد احادیث کا تذکرہ کیا ہے جس سے بعض کو بیان کیا جاتا ہے۔

''إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ خَصَّ رُسُلَهُ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاق''

''خداوند نے انبیاء کو مکارم اخلاق کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔'' (الکافی: جلد ۲ ص ۵۴)

امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ رسول خداؐ نے فرمایا

''مَا يُوضَعُ فِي مِيزَانِ امْرِءٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَفْضَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ''

''روز قیامت انسان کے میزان اعمال میں کوئی شے حسن خلق سے افضل نہیں ہوگی۔''

(الکافی ج ۲، ص ۹۹)

امام باقرؑ کا فرمان ہے:

''إِنَّ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً''

''کامل ترین مومن وہ ہے جس کا حسن خلق سب سے بہتر ہے۔'' (الکافی: ج ۲، ص ۹۹)

امام جعفر صادقؑ کا فرمان ہے:

''الْبِرُّ وَ حُسْنُ الْخُلُقِ يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ وَيَزِيدَانِ فِي الْأَعْمَارِ''

''نیکی و حسن خلق وطنوں کو آباد اور عمروں کو طولانی کرتے ہیں۔'' (الکافی ج ۸)

بداخلاقی، ایمان کے فاسد اور انسان کے عذاب الٰہی میں گرفتار ہونیکا باعث بنتی ہے۔ اسکے بارے میں امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

''إِنَّ سُوءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ''

''برا اخلاق ایمان کو ایسے فاسد کر دیتا ہے جیسے شہد کو سرکہ۔'' (الکافی: ج ۲، ص ۳۲۱)

پیغمبر اکرمؐ کا فرمان ہے کہ:

''أَبَى اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ لِصَاحِبِ الْخُلُقِ السَّيِّئِ بِالتَّوْبَةِ''

''خداوند تعالیٰ بد اخلاق کی توبہ قبول نہیں کرتا۔'' (الکافی: ج ۲، ص ۳۲۱)

''پوچھا گیا کیوں یا رسول اللہؐ تو فرمایا جب بھی کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے تو اس سے بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

بہترین اخلاق اس لئے قابل اہمیت ہے کہ افراد کے باہمی روابط میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے اور نظام اسلامی کے مسئولین کو فلاح ونجات کی راہ اور اسلامی معاشرہ کے افراد کو اقدار اسلامی کی جانب متحرک کرتا ہے۔ امام خمینیؒ کی نگاہ میں مسئولین کی اخلاقی خصوصیات کے مورد توجہ ہونے کے دو اسباب ہیں۔

الف: امام خمینیؒ عرصہ دراز تک حوزہ علمیہ قم میں معلم اخلاق رہے ہیں اور آپ کے دروس نے اپنے شاگردوں اور حاضرین کی روح ونفسیات پر بھرپور اور ناقابل انکار اثر ڈالا ہے۔

آپؒ نے عرصہ دراز تک محاسن اخلاقی ورذائل اخلاقی کا مطالعہ کیا ہے اور چند اخلاقی آثار، ورثہ میں چھوڑے ہیں۔ امامؒ عرفان میں بھی استاد تھے اور اساتید باتقوی مانند مرحوم شاہ آبادی سے کسب فیض کیا ہے اور تہذیب نفس اور فضائل اخلاقی کے کسب کرنے پر بہت تاکید کی۔ ایسی بزرگ شخصیت نظام اسلامی کے مسئولین و مدیروں کو تزکیہ نفس کی سفارش کر رہی ہے اور مہم ترین نکات اخلاقی کی یاد آوری کر رہی ہے۔

ب: عام طور پر یہ مسائل انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد مختلف مواقع اور مناسبات پر نظام اسلامی کے مدیروں کے گوش گزار کئے ہیں۔ بنابرایں جن موضوعات کو محور قرار دیا گیا ہے اجتماعی پہلو رکھتے ہیں۔ البتہ اس وقت کی موقعیت زمانی اور محدودیت اجتماعی نے کسی حد تک ان سفارشات کے بیان میں محدودیت ایجاد کی ہے۔ اس خاطر جو کچھ بھی ذکر ہوا ہے۔ ممکن ہے ایک مسئول کی تمام اخلاقیات پر محیط نہ ہو، لیکن اصلی اور لازمی مواد کا ذکر امامؒ کی سفارشات میں جلوہ گر ہے۔ (اخلاق: ص ۱۵)

اخلاق کا معنی:

اہل لغت اخلاق کو خُلق کی جمع کہتے ہیں۔ اور خُلُق وخُلْق کا معنی ''سیرت وصفات باطنی'' کرتے ہیں۔ خَلق اور خُلق کے معانی میں فرق کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ خَلق ظاہری شکل و

صورت کو کہتے ہیں جسے آنکھ سے دیکھا جا سکے اور خُلق کا تعلق ان خصائص وفضائل سے ہے جنہیں بصیرت سے درک کیا جاتا ہے۔

امام علیؑ کا اس بارے میں فرمان ہے:

''حُسنُ الخُلُق للنفس و حُسن الخَلق للبدن''

''حُسن خُلق کا تعلق نفس سے ہے اور حُسن خَلق بدن سے مربوط ہے۔'' (تصنیف غرر الحکم ۲۵۴)

بعض منابع آیہ قرآن ''وَ إِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظيمٍ'' کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے لفظ حسن خُلُق کا استعمال کرتے ہیں اور بعض روایات میں اعراب کی بنا پر حُسن خُلق کہتے ہیں۔ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

امام خمینیؒ خُلق کے معنی کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''خلق نفس کی حالت کا نام ہے جو انسان کو بغیر کسی رویہ اور فکر کے فعل کی طرف حرکت دیتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی خُلق سخاوت رکھتا ہے تو یہ خلق اسے جود و انفاق پر مجبور کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس کام کیلئے وہ کوئی مقدمات تشکیل دے یا اس کی خوبیوں کو سوچے جیسے انسان کی طبیعت کے باقی افعال مثلاً دیکھنا اور سننا، اسی طرح سخاوت بھی انسان کی طبیعت وفطری افعال کا حصہ بن جاتی ہے۔'' (شرح چہل حدیث ص ۵۱۰)

امام خمینیؒ نے علمائے اخلاق سے نقل کیا ہے اسکی روشنی میں اچھی اور بری عادات انسان کو تین طریقوں سے حاصل ہوتی ہیں۔

۱۔ حالت نفس ممکن ہے انسان کی ''طبیعت اور فطرت'' سے ایجاد ہوتی ہو خواہ اچھی یا سعادت کا باعث ہو یا بُری اور شقاوت سے متعلق ہو۔

۲۔ بعض اوقات اخلاق نفسانی ''عادت'' سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ بعض اوقات تفکر وتدبر سے شروع ہوتی ہے اور ملکہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

امام خمینیؒ کی نگاہ میں اخلاق کا تعلق انسان کے تمام اعمال اور اجتماعی آداب سے ہے۔ اور اس

نقطے پر تاکید کرتے ہیں کہ اگر کوئی خلق وصفت طبیعی وفطری ہوتو اسکا مطلب یہ نہیں کہ اسے تبدیل نہ کیا جائے اور بدلا نہ جاسکے۔ بلکہ تمام ملکات واخلاق نفسانیہ قابل تغییر واصلاح ہیں۔ بنا براین ممکن ہے بعض عہدیداران ومسئولین خطاولغزش کے مرتکب ہوں تو انکی اصلاح کیلئے امامؒ کی سفارشات پرتوجہ ضروری ہے۔

نظامِ اسلامی کے مسئولین:

حکومت اسلامی میں قدرومنزلت صرف اس کیلئے شائستہ ومناسب ہے جو باتقوی اور پرہیز گار ہے نہ کہ صاحب ثروت، مال وقدرت۔ عہدیداروں علماءاور حکومت عدل کے ذمہ دار افراد پر لازم ہے کہ فقراءومساکین کے ساتھ زندگی بسر کریں اورامراءودولتمندوں سے اجتناب کیا جائے۔

امامؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک سے استناد کیا ہے۔

''کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ''

''آپ سب مسئول ہیں اور ہراس فرد کے مسئول وجوابدہ ہو جوتمہاری مسئولیت واختیار کے تابع ہے۔''

یہاں راعی سے مراد مسئول ہے اور رعیت سے مراد وہ افراد ہیں جو کسی کی مسئولیت واختیار کے تابع ہیں۔ نہ راعی کا مطلب گلہ بان اور نہ ہی رعیت سے مراد نوکر ہے بلکہ راعی سے مراد مسئول وعہدہ دار انسان ہے۔ اور رعیت سے مراد ایسے افراد ہیں جو کسی کی مسئولیت اور اختیار کے تحت ہوں۔ راعی، اس حافظ وامین کو کہتے ہیں جو اپنے تحت نظر افراد کے امور کی اصلاح پر معین کیا گیا ہو۔

واضح ہے کہ اس حدیث میں تمام افراد اپنی مسئولیت کی بنابر پر راعی ومسئول بھی ہیں اور رعیت بھی ہیں۔ امامؒ نظام اسلامی کے تمام مسئولین خواہ کسی بھی عہدہ پر فائز ہوں انکی اخلاقی شائستگی پر تاکید کرتے ہیں اور مسئولیت کو امتحان الٰہی تصور کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں: ''آج ہم اپنے اور ملت کے بارے میں عرض کرتے ہیں جو کوئی جس عہدہ و مقام پر ہے اور جو بھی مسئولیت رکھتا ہے، وہی مقام و عہدہ اسکا امتحان ہے۔ مثلاً صدر مملکت کا امتحان اسکا وہی عہدہ ہے کہ اس عہدہ پر کیا کرتا ہے اس کی فکر کا محور کیا ہے اس بارے میں اس کا اخلاق اور اعمال کیسے ہیں حتی کہ اسکے باطنی تصورات کیسے ہیں؟ اس طرح تمام مسئولین، رکن پارلیمنٹ و۔۔۔۔۔۔'' (صحیفہ امام ج ۱۸)

اس کتاب میں اساسی و بنیادی مطالب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

1) مسئولین کے اخلاق کے بنیادی اصول
2) مسئولین کا فردی و اجتماعی سلوک و رویہ
3) مسئولین کی اخلاقی آفات و رذائل

1) اخلاق مسئولین کے بنیادی اصول:

اخلاق مسئولین کے بنیادی اصول سے مراد، مسئولین کی صفات و خصوصیات ہیں جو ان کے اخلاق و رویہ میں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں اور امامؒ کی گفتگو میں ان پر تاکید کی گئی ہے، اور مسئولین حکومت اسلامی کو نصیحت کی گئی ہے کہ ان کی رعائت کریں۔

۱۔ ایمان

امامؒ کی گفتگو میں جس چیز کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے وہ خدا اور اسلامی اقدار پر ایمان ہے۔ اس بارے میں امامؒ کی گفتگو کے چند نمونے پیش کرنے سے پہلے، مناسب ہے کہ امام خمینی (رح) کی نگاہ میں ایمان کا معنی بیان کیا جائے۔

ایمان کا لغوی معنی وثوق، تصدیق، اطمینان، اطاعت، خضوع اور تسلیم سے عبارت ہے اور فارسی میں گرویدن ہے اور واضح رہے کہ ایمان، اعتقاد علم و ادراک سے مختلف ہے۔

(شرح حدیث جنود عقل و جہل ص ۸۸)

امام خمینی ؒ علم و ایمان کے فرق کو واضح کرنے کیلئے بڑی خوبصورت مثال بیان کرتے ہیں۔ہم سب جانتے ہیں کہ مُردہ ذرہ برابر بھی حرکت نہیں کرسکتا اور دوسرں کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا اور تاریکی میں زندہ ہونے کی استعداد بھی نہیں رکھتا، ان تمام خصوصیات ومعلومات کے باوجود تاریکی میں مُردوں سے وحشت زدہ ہیں۔یہ خوف اس حقیقت کو روشن کررہا ہے'' کہ اس حقیقت عقلی پہ دل مطمئن نہیں ہوا اور یہ ادراک عقلی کی دل تک نہیں پہنچا۔''یعنی دلی اطمینان حاصل نہیں ہوا۔

دوسری مثال حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ہے۔جب انہوں نے خدا کی بارگاہ میں سوال کیا کہ خدایا تو مردوں کو زندہ کیسے کرے گا۔

''وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى''

''اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا: میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔''

''قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي''

فرمایا:''کیا آپ ایمان نہیں رکھتے ؟ کہا: ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان مل جائے۔''

''قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءاً ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْياً وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ''

فرمایا:''پس چار پرندوں کو پکڑ لو پھر ان کے ٹکڑے کرو پھر ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تیزی سے آپ کے پاس چلے آئیں گے اور جان رکھو اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔''(بقرہ:۲۶۰)

بطور مثال،توحید معارف الٰہیہ کی اہم ترین بنیاد ہے، نیز اکثر ایمانی فروعات، معارف دینی، روحانی اوصافِ کاملہ اور قلب کی نورانی صفات اسکی شاخیں ہیں لیکن جب تک یہ

(توحید) عقلی ادراک تک محدود رہے (دل میں اتر کر وجود کا حصہ نہ بن جائے)، مذکورہ فروعات اس سے حاصل نہیں ہوسکتیں اور انسان مذکورہ حقائق تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہے۔

اور قرآن میں مومن کی ایسی صفات کا تذکرہ ہوا ہے جو ہم میں نہیں ہیں۔ جس کی وجہ بھی علم وایمان میں تفاوت وفرق ہے۔

''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَ إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً وَ عَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ''

''مومن تو صرف وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔'' (انفال:۲)

لہٰذا مومن حقیقی وہی ہے جو ذات حق کو ہمیشہ حاضر و ناظر سمجھتا ہو اور انسان ایمانِ کامل کا حامل اسی صورت میں بن سکتا ہے جب وہ دنیا کو محضر خدا سمجھتا ہو۔ جیسا کہ امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

''اینعالم محضر خدا است،در محضر خدا معصیت نکنید''

''یہ جہان محضر خدا ہے اور محضر خدا میں اس کی معصیت نہ کریں۔'' (صحیفہ امام ج ۱۳ ص ۴۶۱)

یہی ایمان ہے جو اکثر امور کی اصلاح کا سبب بنتا ہے اور اسلامی نظام کے مسئولین کو اس سے آراستہ ہونا چاہیئے تاکہ فساد وانحراف میں گرفتار نہ ہوں۔

امام خمینیؒ کی نگاہ میں ایمان سے عاری افراد عوام الناس کی خدمت سے قاصر ہیں لہٰذا فرماتے ہیں کہ:

''نوجوان نسل کو جان لینا چاہیے کہ معنویت اور توحید ومعاد پر اعتقاد نہ ہو تو محال ہے کہ کوئی اپنے وجود کو قربان کر کے امت ومعاشرے کی اصلاح کی فکر کرے۔'' (صحیفہ امام ج ۳)

امام خمینیؒ کے نزدیک سابقہ مسئولین اور حکومت کے فساد کا سبب اعتقاد وایمان سے خالی ہونا

ہے وہ تمام لوگ جو ملت اسلامیہ کیلئے مشکلات ومصائب کا باعث بنے ہیں سب ایمان کی نعمت سے محروم تھے۔ مادیت ومعنویت کا اصل مبداء ومقصد ایمان کی روشنی میں تمام امور کا انجام پانا ہے۔حتماً ایک دوسرے کی مدد کریں تا کہ آئندہ نسلوں کیلئے ایمان وعقیدہ کی فضاء ایجاد کرسکیں۔ آپ یونیورسٹیوں سے اور ہم مدرسوں سے مومن تربیت کریں نہ صرف عالم،صرف عالم مفید ثابت نہیں ہوسکتا اور اسی طرح نہ ہی مومن محض موثر ہوسکتا ہے۔'' (صحیفہ امامؒ)

۲۔ تقویٰ

تقوٰی کا کلمہ ''وقایۃ'' سے نکلا ہے۔جس کے معنی اپنے آپ کو بچانا اپنی حفاظت کرنا ہے تا کہ انسان خطا سے محفوظ رہ سکے۔

امام خمینی جس کی توضیح کچھ یوں فرماتے ہیں کہ:

نفس کو اوامر ونواہی پروردگار کی مخالفت سے محفوظ رکھنا اور ذات حق کی اتباع کرنا اور مکمل طور پر نفس کو محرمات سے بچانا اور شبہات سے پرہیز کا نام تقوی ہے۔

''مَنْ أَخَذَ بِالشُّبُهَاتِ ارْتَكَبَ الْمُحَرَّمَاتِ وَهَلَكَ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَم''

''جو بھی شبہات پر عمل پیرا ہوا وہ محرمات کی وادی میں داخل ہو جاتا ہے وہ نا آگاہ طور پر ہلاک ہوجاتا ہے۔'' (وسائل الشیعہ)

''فَمَنْ رَتَعَ حَوْلَ الْحِمَى أَوْشَكَ أَنْ يَقَعَ فِيهِ'' (شرح چہل حدیث)

''جو مہلکات کے گڑھے کے کنارے کھڑا ہو وہ ضرور اس میں گرتا ہے''

امام خمینیؒ کی نظر میں میں تقوی کمال کے درجات ومقامات میں سے نہیں ہے بلکہ کمالات کا مقدمہ ہے جو معنوی مقامات تک رسائی کے بغیر ممکن نہیں اور امام نے تقوی کی جو تعریف کی ہے وہ تقوی عام کی تعریف ہے جس کا مطلب محرمات اور شبہات سے اجتناب ہے۔

امام تقوٰی کے مدارج کے بارے میں فرماتے ہیں:

۱۔ عام لوگوں کیلئے تقویٰ: محرمات سے اجتناب
۲۔ خاص لوگوں کیلئے تقویٰ: شبہات سے اجتناب
۳۔ زاہدلوگوں کیلئے تقویٰ: محبت دنیا سے دوری
۴۔ مخلصین کا تقویٰ: محبت نفس سے پرہیز
۵۔ خدا کی ذات میں فنا ہونے والوں کا تقوی: کثرت اسماء سے اجتناب
۶۔ خدا کی ذات میں جذب ہوجانے والوں کا تقوی: کثرت افعال کے ظہور سے اجتناب
۷۔ خدا کی ذات سے متصل ہوجانے والوں کا تقویٰ: فنا پہ توجہ سے گریز
۸۔ متمکن افراد کا تقویٰ: جدالون ورنگ سے اجتناب

(شرح چہل حدیث ص۲۰۶)

(صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَ نَحْنُ لَهُ عابِدُون)

''خدائی رنگ اختیار کرو، اللہ کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوسکتا ہے؟ اور ہم صرف اسی کے عبادت گزار ہیں۔'' (بقرہ:۱۳۸)

امیر المومنینؑ مالک اشتر کے نام خط کے آغاز میں تقوی الٰہی کی نصیحت کرتے ہیں اور امام خمینیؒ کہ جو تقویٰ و پرہیز گاری میں معروف تھے، مسئولین نظام اسلامی کو لزوم تقویٰ کی تاکید کرتے ہیں : کیونکہ اگر ایک مسئول قید و بند سے آزاد ہو اور اسلامی حدوحدود کا لحاظ نہ رکھے اور شبہات کو نظر انداز کرے تو آہستہ آہستہ نافرمانیوں کا مرتکب اور معصیت میں مبتلا ہوجائے گا اور گناہ کا ارتکاب اسکو برا نہیں لگے گا اور آسانی سے فساد میں مبتلا ہوجائے گا۔

امام خمینیؒ اس طرح تقویٰ کی تاکید کرتے ہیں:

تقوی سبھی کیلئے لازم ہے مگر مسئولین کے لئے لازم تر ہے۔ ذمہ داران کہ جو تمام امور کے مسئول ہیں اگر خدانخواستہ تقوی سے عاری ہوں تو بی تقوای پورے معاشرے میں سرائیت کر

جائے گی۔ پورا معاشرہ بداخلاق و بدکردار ہوجائے گا خدانا خواستہ پورا ملک تباہی و بربادی کا شکار ہوجائے گا لہٰذا ان کیلئے تقوی بیشتر اہمیت کا حامل ہے جو خود ان کیلئے بھی اچھا ہے اور ان کے دوستوں کیلئے بھی اور معاشرے کیلئے بھی۔ (صحیفہ امامؒ ج ۱۸)

کیونکہ تقویٰ کا نہ ہونا معاشرے اور ملک کی تباہی کے مترادف ہے اور اگر ایک مسئول بے تقوی ہو تو اس کے ماتحت افراد میں بھی یہ چیز سرائت کر جائیگی۔ مقام وعہدہ کے حساب سے افراد کو تقوی کی رعائت کرنی چاہئے اور شبہات سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۳۔ تزکیہ وتہذیب نفس:

تزکیہ، تہذیب، اصلاح و جہاد بالنفس مہم ترین امور میں سے ہیں اور مسئولین نظام اسلامی کو اس کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ کمال، مکارم اخلاق، نیک عمل اور رذائل وفضائلِ اخلاقی تک دسترس کیلئے تزکیہ نفس ضروری ہے۔ جہاد بالنفس کو حدیث نبویؐ میں جہاد اکبر کہا گیا ہے اور اس مجاہد کا اجر راہ خدا میں شہید ہونے والے مجاہد سے افضل ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں جہاد بالنفس سے مراد انسان کا اپنی ظاہری قوتوں پر غلبہ اور انہیں فرمان خداوندی کے تابع اور بدن کی سلطنت کو شیطانی طاقتوں سے خالی کرنے کا نام ہے۔
(شرح چہل حدیث)

اور آپؒ کے نزدیک جہاد بالنفس کیلئے مشارطہ، مراقبہ اور محاسبہ لازمی امور میں سے ہے امام خمینیؒ نے اپنی تقریروں میں تزکیہ کے تعلیم پر مقدم ہونے پر تاکید کی ہے اور قرآنی آیت ''وَيُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ'' پر توجہ کرتے ہوئے تزکیہ نفس کی اہمیت کو مسئولین کیلئے ضروری قرار دیتے ہیں نیز آپ فرماتے ہیں:

بعثتِ انبیاء علیہم السلام کی غایت وہدف ہی تزکیہ وتہذیب ہے۔

مسئولین اور عہدہ دارانِ حکومت کیلئے تزکیہ کی ضرورت باقی افراد کی نسبت زیادہ ہے۔ جو

حکومت (یا تنظیم) عوام الناس کو نیکی کی طرف دعوت دے رہی ہے اپنے آپ کا (مسئولین) حتماً تزکیہ کرے۔ ہمارے لئے سب سے ضروری امر تزکیہ نفس ہے اور اسی کے وسیلہ سے عوام الناس کی تہذیب کی جاسکتی ہے۔ اگر انسان خود مہذب نہ ہو دوسروں کو تہذیب یافتہ نہیں کرسکتا اور اس کی باتوں کا لوگوں پر اثر نہیں ہوتا۔ (صحیفہ امامؒ ج ۱۰)

جیسا کہ امام علیؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

''مَنْ نَصَبَ نَفْسَهُ لِلنَّاسِ إِمَاماً فَعَلَيْهِ أَنْ يَبْدَأَ بِتَعْلِيمِ نَفْسِهِ قَبْلَ تَعْلِيمِ غَيْرِهِ وَ لْيَكُنْ تَأْدِيبُهُ بِسِيرَتِهِ قَبْلَ تَأْدِيبِهِ بِلِسَانِهِ وَ مُعَلِّمُ نَفْسِهِ وَ مُؤَدِّبُهَا أَحَقُّ بِالْإِجْلَالِ مِنْ مُعَلِّمِ النَّاسِ وَ مُؤَدِّبِهِم''

''جو لوگوں کا پیشوا بنتا ہے تو اسے دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے کو تعلیم دینا چاہیے اور زبان سے درس اخلاق دینے سے پہلے اپنی سیرت و کردار سے تعلیم دینا چاہیے۔ اور جو اپنے نفس کی تعلیم و تادیب کرلے، وہ دوسروں کی تعلیم و تادیب کرنے والے سے زیادہ احترام کا مستحق ہے۔''
(نہج البلاغہ: حکمت ۷۰)

امام خمینیؒ نے بھی تہذیب نفس پر تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''دوسروں کا تزکیہ نفس کرنے سے پہلے وہ چیز جو ہمارے لئے سب سے ضروری ہے وہ اپنا تزکیہ اور تہذیب نفس ہے۔ کیونکہ جو انسان خود تہذیب یافتہ نہ ہو وہ دوسروں کو تہذیب یافتہ نہیں بنا سکتا۔''

قرآن کی نگاہ میں کامیاب لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی ہوائے نفس کے ساتھ مقابلہ کیا ہو اور جنہوں نے تہذیب و تزکیہ نفس کیا ہو۔ (قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّىٰهَا) (بتحقیق جس نے اسے پاک رکھا کامیاب ہوا) (شمس:۹)

(قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى)

''بتحقیق جس نے پاکیزگی اختیار کی وہ فلاح پا گیا۔'' (اعلیٰ: ۱۴)

تزکیہ وتہذیب نفس نہ ہونے کے نقصانات

اکثر فسادات، برائیاں اور جرائم کا سبب خودخواہی وعدم تہذیب نفس ہے جو برائیاں تہذیب نفس کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہیں امامؒ نے متعدد بار ان کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں چند امور درج ذیل ہیں۔

الف) لوگوں کیلئے مشکلات کھڑی کرنا:

عالم بے عمل وغیر صالح سے شریعت پر جو خطرہ وارد ہوتا ہے وہ منگولیا خاندان کے ہاتھوں ہونے والے (انسانی مال وجان) نقصانات سے بڑھ کر ہے۔ (صحیفہ امام ج ۱۴ ص ۳۹۱)

اگر کسی نے اپنا تزکیہ نفس نہ کیا ہو اور وہ بھی عالم یا مسئول ہو تو معاشرہ کو اس سے بے پناہ مشکلات ونقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''زلة العالم یفسد العوالم''

''عالم کی لغزش جہانوں کو فاسد کر دیتی ہے۔'' (غرر الحکم)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: کوئی لغزش وخطا، عالم وآگاہ انسان کی لغزش سے بڑھ کر نہیں ہے۔ ''لا زلة اشد من زلة عالم'' (غرر الحکم)

اور فرماتے ہیں:

''زَلَّةُ الْعَالِمِ كَانْكِسَارِ السَّفِينَةِ تَغْرِقُ وَ تُغْرِق''

''عالم کی لغزش کشتی کے توڑنے کی مانند ہے جو خود بھی غرق ہوتی ہے اور اپنے سواروں کو بھی غرق کرتی ہے۔'' (بحار الانوار ج ۲، ح ۳۹)

ب) اختلاف پیدا کرنا:

تمام اختلافات کا سرچشمہ ہوائے نفس ہے، جہاں کہیں بھی آپ آپس میں اختلافات

دیکھیں تو مطمئن رہیں کہ اس اختلاف کی وجہ ہوائے نفس ہے۔(صحیفہ امام ج۱۸)

امام خمینیؒ نے کئی بار اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر تمام انبیاء ایک زمان ومکان میں جمع ہو جائیں تو ایک دوسرے کے ساتھ معمولی سا اختلاف بھی نہیں کریں گے کیونکہ ان میں ہوائے نفس نہیں اور وہ کمال تک پہنچے ہوئے انسان ہیں۔

ج) طغیان وسرکشی:

خداوند تعالیٰ سورہ شمس میں تزکیہ نفس کے موضوع کے بعد نفس انسانی کے طغیان وسرکشی کا ایک نمونہ پیش کرتا ہے کہ قوم ثمود نے اپنی سرکشی اور طغیان کی وجہ سے حضرت صالحؑ کو جھٹلایا اور ان کے معجزہ (ناقہء صالح) کو ذبح کر دیا۔

''كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَىٰهَا ۔إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ۔فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَ سُقْيَاهَا ۔فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۔وَ لَا يَخَافُ عُقْبَاهَا''

''(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث تکذیب کی۔ جب ان کا سب سے زیادہ شقی اٹھا، تو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کی سیرابی کا خیال رکھو۔ پھر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب ڈھایا پھر سب کو (زمین کے) برابر کر دیا۔''(شمس 11۔15)

د) دنیا وآخرت میں ہلاکت:

تزکیہ کا ہدف قلب انسان کو نور ہدائت کی شمع سے منور کرنا ہے، اور جب تک تزکیہ نہ ہو تو نفس انسانی طغیان گر رہے گا۔ اور جب تک تزکیہ نہ ہو علم خطرناک ہے بلکہ ہر شی سے زیادہ خطرناک ہے اور تزکیہ کے بغیر عہدہ ومسئولیت خطرناک ہے اور انسان کیلئے دنیا وآخرت میں ہلاکت میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔(صحیفہ امام ج ۱۴)

۴) امانت داری:

امانتداری ایسی خصوصیات میں سے ہے کہ جس کا حامل ہونا ایک مسئول کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ حکومت (یا کوئی اسلامی نہضت) ایک امانت الٰہی ہے جسے ایک مسئول کے ذمہ سونپا گیا ہے اور اسے اسکی حفاظت ونگہداری کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ امیر المومنین علیہ السلام اشعث بن قیس کندی کو لکھے گئے ایک خط میں فرماتے ہیں ''تیرا کام وذمہ داری مختلف لذتوں کے حصول کے لئے نہیں ہے بلکہ تیری ذمہ داری امانت الٰہی ہے'' اور خداوند فرماتا ہے:

''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّواْ الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا''

''بے شک اللہ تم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو'' (نساء:۸۵)

اور بعض روایات میں امانت کی تفسیر امامت کے ساتھ کی گئی ہے یعنی امانت سے مراد امامت ہے۔ صاحب تفسیر مجمع البیان نے معنای امانت میں تین اقوال نقل کئے ہیں ایک کا تعلق کلید کعبہ (کعبہ کی چابی) سے ہے اور دوسرے دو معنا کی شرح کچھ یوں کرتے ہیں:

الف: جو امانت بھی لوگوں کے سپرد کی جائے اسکی حفاظت اور واپسی لازم ہے اور وہ دو طرح کی ہیں۔

اول: خداوند کی وہ امانتیں جن کا تعلق اوامر ونواہی سے ہے۔

دوم: بندگان خدا کی امانتیں جو اموال اور باقی اشیاء سے مربوط ہیں۔

ب: آیہ سے مراد وہ حاکم ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے لوگوں کے مال وجان کا محافظ اور انہیں دین وشریعت کی پاسداری اور اس پر عمل کروانے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ (مجمع البیان ج ۳)

ہر دو معنی کی بنیاد پر حکومت اسلامی ونظام اسلامی، مسئولین کے پاس امانت الٰہی ہے پس مسئولین اسلامی خود دستورات اسلامی پر عمل کریں اور ان کی حفاظت کریں اور لوگوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی تشویق وترغیب دیں۔ لہٰذا ہم حکومت (اور مسئولیت) کو ایک ایسی امانت سمجھیں جو

لوگوں کی طرف سے خاص افراد کو بطور امانت عطا کی گئی ہے اور مسئولین امانتدار اور امین اور قابل اعتماد ہونے چاہئیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''اَلْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَ أَمْوَالِهِم'' (بحار الانوار: ج: ۶۴)

''مومن وہ ہے جسے لوگ اپنی جانوں اور اموال پر امین ونگہبان قرار دیں۔''

اور بڑا واضح ہے کہ امین کو چاہیے کہ وہ اپنی امانت کی حفاظت کرنے کی کوشش کرے اور کبھی بھی اس میں خیانت نہ کرے اور اس امانت کو آئندہ نسلوں تک صحیح وسالم پہنچائے۔

اس بارے میں امام خمینیؒ کے چند فرمودات ملاحظہ فرمائیں:

فرمایا: ''تمہارے ہاتھوں میں ایک امانت ہے حتماً اس کی حفاظت کریں اور وہ امانت جمہوری اسلامی ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۲)

دراصل انسان خدا تعالیٰ کی عطا کردہ امانتوں کا امانتدار ہے اور اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ الٰہی امانت ہے۔

کوشش کریں کہ جو امانت خداوند نے ہمیں عنائت کی ہے وہ روح، زندگی، اسلام اور قرآن ہے، اس کی حفاظت کریں۔

جو کوئی جس مسئولیت پر بھی فائز ہے امانتداری اس کیلئے لازم ہے۔

خدانخواستہ اگر ایک گروہ میں خائن پیدا ہو جائے تو سارا گروہ بدنام یا فاسد ہو جائے گا، تمام امور میں ایک لازمی امر امانت داری ہے۔ (صحیفہ امام ج ۱۷)

۵) عدل گرائی:

عدل کا تعلق اسلامی اقدار سے ہے جو کہ مسلمانوں کے اعتقادات کا حصہ ہے۔ اسلام نے اس کی بڑی تاکید کی ہے اور اسلامی حکام پر معاشرہ میں اس کی پاسداری لازم ہے۔ علم اخلاق میں عدالت کا شمار چار برترین اور بنیادی ترین فضائل میں ہوتا ہے جسے حکماء نے حکمت، شجاعت،

اور عفت کے ہمراہ شمار کیا ہے۔ بلکہ عدالت کو کمال فضیلت سمجھتے ہیں۔ امام خمینیؒ عدالت کی تعریف کے بعد قوہ عملیہ کو معتدل اور عدالت محور بنانے اور تہذیب نفس کے بارے فرماتے ہیں:

''عدالت سے مراد تمام قوائے باطنیہ، ظاہریہ روحیہ اور نفسیہ کو معتدل کرنا ہے اور عدالت تمام فضیلت ہے نہ کہ جز و فضیلت۔'' (شرح حدیث جنود عقل و جہل)

علمائے اخلاق عدالت کو افراط اور تفریط کا درمیانی راستہ یعنی حد وسط سمجھتے ہیں اور کمال انسانی کے سفر کو طے کرنے اور تہذیب نفس کیلئے اس کا حصول ضروری سمجھتے ہیں۔

عدالت اجتماعی کو قرآن مجید میں انبیاء کے اہداف میں سے ایک ہدف کے طور پر بیان کیا گیا۔

''لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَ أَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَ الْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ''

''بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تا کہ لوگ عدل کا قیام کر سکیں۔'' (حدید: ۲۵)

امام علی علیہ السلام عدالت بارے میں فرماتے ہیں:

''خير السياسات العدل''

افضل ترین سیاست عدل ہے۔'' (غرر الحکم)

''العدل قوام الرعية''

''رعایا کا قوام اور پائداری عدالت سے ہے۔'' (غرر الحکم)

''العدل حياة''

''عدالت زندگی ہے۔'' (غرر الحکم)

''اعدل تدم لك القدرة''

''عدل کرو تا کہ تمہاری حکومت کو دوام و استمرار میسر ہو۔'' (غرر الحکم)

امام خمینیؒ مذکورہ بالا آیت کے تناظر میں اقامہ عدل الٰھی کو اھداف انبیاء علیہم السلام میں سے شمار فرماتے ہیں۔لہٰذا فرماتے ہیں کہ:

بنیادی طور پر انبیاء علیہم السلام بندگان خدا کی معنوی وارشادی خدمت اور بشر کو ظلمات وتاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لانا،مظلوموں اور ستم دیدہ افراد کی خدمت اور فردی واجتماعی عدل کے قیام کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔پس مسئولین کیلئے بھی،عدالت ایک لازمی عنصر ہے اور عدالت کا اجراء معاشرہ کے تمام افراد کیلئے ضروری ہے۔حتیٰ اپنی ذات کے بارے میں بھی عدالت کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

''عدالت اسلامی انسان کی اپنی ذات سے شروع ہوتی ہے اور ہر مرتبہ اور مقام تک لازم ہے۔انسان کی اپنی ذات کے ساتھ،دوستوں کے ساتھ عدالت،ہمسایوں کے ساتھ عدالت،اہل محلہ سے عدالت،ہم شہریوں سے عدالت، اہل علاقہ سے عدالت،اہل مملکت سے عدالت، ہمسایہ ممالک سے عدالت حتیٰ تمام بشریت سے عدالت۔اگر اسطرح کی عدالت قائم نہ ہو سکے تو نہ حکومت،حکومتِ اسلامی ہے اور نہ ہی سربراہ،سربراہ اسلامی ہے۔''(صحیفہ امام ج۸)

معاشرہ میں سارے ظلم وجبر کا سرچشمہ عدالت کا نہ ہونا ہے۔تمام خیانتوں وفسادات کا سبب عدم عدالت ہے۔اسلام تمام اقرباء پروریوں،ظلم وستم اور حقوق کے غصب کی روک تھام کیلئے تمام مسئولین کی عدالت پر تاکید کرتا ہے اور اسے ضروری شرط کے طور پر جانتا ہے اور خالق کائنات ایسے خدائے عادل کو سمجھتا ہے،جو ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اسلام ایسا دین ہے جس میں خدا کی ذات عادل ہے،، پیغمبر اور امام عادل ومعصوم ہیں۔قاضی کا عادل ہونا ضروری ہے۔فقیہ کیلئے عدالت شرط ہے،طلاق کے گواہوں کیلئے عدالت ضروری ہے اور امام جمعہ حتماً عادل ہونا چاہیے۔ذات مقدس کبریا سے لے کر آخری مسئول تک کے لئے عادل ہونا ضروری ہے۔حکمرانوں کا عادل ہونا ضروری ہے اگر حکمرانوں (مسئولین)

میں عدالت نہ ہوتو معاشرہ اور مملکت میں بھی وہی فسادات ہوں گے جو آج کل نظر آ رہے ہیں۔'' (صحیفہ امام ج ۳)

2) مسئولین کی انفرادی واجتماعی سیرت

نظام اسلامی کے مسئولین کو اخلاق اسلامی سے آراستہ ہونا چاہیے اور ان کا کردار ان کے خلق حسنہ کا حکایت گر ہو، لوگوں سے روابط حسن اخلاق پر مبنی ہوں اور جو بھی ان سے ارتباط میں ہوان سے اچھا اور مناسب برتاؤ رکھتے ہوں۔ معاشرہ کی اصلاح میں اہم کردار ادا کریں۔ امام خمینیؒ کی نگاہ میں مسئولین کی چند انفرادی واجتماعی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

ا۔ اخلاص:

اخلاص نظام اسلامی کے مسئولین اور بندگان خدا کی صفات میں سے ایک اہم صفت ہے یعنی اپنے اعمال کو خالصانہ اور رضائے الٰہی کی خاطر انجام دینا۔ جو انسان بھی اخلاص سے عمل کرے وہ خداوند تعالیٰ کا مخلص بندہ ہے اور قرآن کے مطابق شیطان اس کو فریب دینے پر قدرت نہیں رکھتا، اس کو راہ راست سے منحرف نہیں کر سکتا اس کو رشوت خوری و گناہ کی طرف نہیں دھکیل سکتا۔

''قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ''

''(ابلیس نے) کہا: میرے رب! چونکہ تو نے مجھے بہکایا ہے (لہذا) میں بھی زمین میں ان کے لیے (باطل کو) ضرور آراستہ کر کے دکھاؤں گا اور سب کو ضرور بالضرور بہکاؤں گا۔ ان میں سے سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔'' (حجر: ۳۹۔۴۰)

امام خمینیؒ مسئولین کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آپ اخلاص کا دامن تھامے رکھو اور بندگان خدا کی خدا کیلئے خدمت کرو اور تعریف و

اجر فقط خدا کی ذات سے طلب کرو اور وہی ہے جو تمہیں اجر و جزاء عطا کر سکتا ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۷)

امام خمینیؒ اخلاص کی اہمیت کو بیان کرنے لئے امام علیؑ کی جنگ خندق کی ایک ضربت کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ امیر المومنین کا اخلاص ہی تھا کی جس کی وجہ سے ان کی ایک ضربت جن وانس کی عبادت کے برابر قرار پائی۔

''ضَربَةُ عَلِي يَومَ الخَندَقِ اَفضَلُ مِن عِبادَةِ الثّقلين''

''علیؑ کی روز خندق کی ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے۔'' (المستدرک علی ج ۳)

اہلبیت علیہم السلام کا سائل کی مدد کرنے کا ذکر کرتے ہوئے کہ جس کا تذکرہ سورہ دھر میں ہے۔فرماتے ہیں کہ:

''وَ يُطعِمُونَ الطَّعَامَ عَلىٰ حُبِّهِ مِسكِينًا وَ يَتِيمًا وَ أَسِيرًا إِنَّمَا نُطعِمُكُم لِوَجهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنكُم جَزَاءً وَّلَا شُكُورًا''

''اور اپنی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔(وہ ان سے کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ (کی رضا) کے لیے کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ تو کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکر گزاری۔'' (دھر:۸۔۹)

اس کی قدر و قیمت اخلاص ہی کی بدولت ہے۔وہ جو اہل بیتؑ نے عطا کیا وہ ایک جوء کی روٹی تھی مگر اس کی اہمیت اس خاطر ہے کہ محبت خدا میں عطا کی۔

''علی حبه'' اور ''لوجه الله'' عطا کی۔(صحیفہ امام ج ۱۶)

امامؒ اخلاص کی تعریف خواجہ عبداللہ انصاری کی زبانی یوں کرتے ہیں۔

''و الاخلاص تصفية العمل من كل شوب''

''عمل کا ہر ملاوٹ (مخلوط ہونے) سے خالی ہونے کو اخلاص کہتے ہیں۔''

(صحیفہ امام ج شرح چہل حدیث)

امامؒ اخلاص کو روحِ عمل کہتے ہیں اور ہر کسی کو نصیحت کرتے ہیں کہ عمل اخلاص کے ساتھ ہو اور ملک وملت کی مشکلات کو اپنے اخلاص سے حل کریں۔

امامؒ مسئولین مملکت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اب ملک آپکی ملکیت ہے تمام جمعیت آپ کے خاندان کی مانند ہے حتماً محبت و اخلاص سے کام کریں تا کہ انشاءاللہ ان بحرانوں سے نکلا جا سکے۔'' (صحیفہ امام ص ۳)

صحیفہ امامؒ میں 119 بار کلمہ اخلاص کا استعمال ہوا ہے جو امامؒ کے نزدیک اسکی اہمیت کو عیاں کرتا ہے۔ امامؒ ہمیشہ مسئولین سے چاہتے ہیں کہ عوام کی خدمت کیلئے وحدت اور خلوص کی حفاظت کریں تمام ذمہ داریوں سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے تمام کاموں کو خلوص کے ساتھ انجام دیں۔ (صحیفہ امام ج ۲۰)

امام خمینیؒ سپاہیوں اور آفیسرز کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں نصرت وامداد الٰہی، اخلاص اور توکل ہی کی مرہون منت ہے

ایک اور مقام پر نظام اسلامی کے مسئولین سے ملاقات میں فرماتے ہیں کہ:

معنوی مراتب و درجات کی بلندیوں کو سر کرنے کیلئے اخلاص کا تزکیہ نفس کے ہمراہ ہونا ضروری ہے۔

اگر ہم معنوی بلندی و کمال تک نہ پہنچ سکیں تو کم از کم اس بلندی و کمال کی جانب سفر تو شروع کریں۔ درست راستہ پر حرکت کریں اور منحرف راستوں سے اجتناب کریں، اس راستے کو کبھی بھی ترک نہ کریں اور اگر یہ حرکت اخلاص اور تزکیہ نفس کے ہمراہ ہو تو ہمارا دامن نصرت الٰہی سے خالی نہیں رہے گا (مدد و نصرتِ الٰہی اس راہ میں ہماری شامل حال ہو رہے گی)۔

امام جعفر الصادق علیہ السلام اخلاص کے فائدے اور نتیجے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''جب انسان اخلاص کے ساتھ عمل انجام دیتا ہے تو خداوند تعالیٰ تمام چیزوں کے دل میں

اس کا خوف پیدا کر دیتا ہے حتیٰ زمین پر رہنے والے زہریلے حشرات اور درندے اور آسمان پر پرواز کرنے والے پرندے بھی اس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔''

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اخلاص العمل من قوة اليقين و صلاح النية''

''اخلاص کا سرچشمہ قوت یقین اور صالح نیت ہے۔'' (غرر الحکم ج ۱)

رسول خداؐ نے ابن مسعود کو مخاطب کر کے فرمایا:

''إِذَا عَمِلْتَ عَمَلًا فَاعْمَلْ لِلَّهِ خَالِصاً لِأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ مِنْ عِبَادِهِ الْأَعْمَالَ إِلَّا مَا كَانَ خَالِصا''

''جب کوئی عمل انجام دو تو خالص طور پر خدا کیلئے انجام دو کیونکہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں سے کسی عمل کو قبول نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ خالص اسی کے لیئے انجام دیا جائے۔''

خدا پر یقین اور نیت صالح عمل میں اخلاص کا سبب ہے جو مجاہدین اسلام کے وجود میں پایا جاتا ہے۔ اور قول امام علی علیہ السلام کے مطابق

''والايمان اخلاص العمل''

''ایمان اخلاص عمل کا نام ہے۔'' (غرر الحکم ج ۱)

اور فرماتے ہیں:

''افضل العبادة اخلاص العمل''

''افضل ترین عبادت عمل میں اخلاص ہے۔'' (غرر الحکم ج ۲)

رسول خداؐ کی حدیث کے مطابق اخلاص دانائی وحکمت کا باعث بنتا ہے:

''مَنْ أَخْلَصَ لِلَّهِ أَرْبَعِينَ يَوْماً فَجَّرَ اللَّهُ يَنَابِيعَ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ''

''اگر کوئی چالیس دن اخلاص کے ساتھ خدا کے لئے عمل انجام دے تو خداوند تعالیٰ اس کے

دل سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے جاری کر دیتا ہے۔''

اور امام خمینیؒ دفاع مقدس کے دوران مجاہدین اسلام کے متعلق فرماتے ہیں: آپ نے ایسے دو کاموں کو انجام دیا ہے کہ اولیائے الٰہی کے سوا کوئی تمہارے اجر کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ تمہاری جان جو کہ عظیم سرمایہ ہے اسے راہِ خدا میں پیش کیا ہے اور یہ کہ اسے اخلاص کیساتھ پیش کیا ہے۔(صحیفہ امام ج ۱۶)

کسی کام کو بخاطر خدا اور رضائے خدا میں انجام دینے کو اخلاص کہتے ہیں اور امامؒ تمام مسئولین کو اخلاص کی تاکید فرماتے ہیں کہ:

''ایران میں تشکیل پانے والی انجمنیں اور تنظیمیں اخلاص کے ساتھ وجود میں آئیں اور اگر اخلاص کا پہلو کم رنگ ہو گیا تو نصرت خدا بھی نہیں رہے گی۔ کوشش کریں کہ ان انجمنوں میں جو لوگ مقدس اور عظیم خدمات سرانجام دے رہے ہیں سب اخلاص کے ساتھ ہوں۔''(صحیفہ امام ج ۱۲)

۲۔ غلطی کا اعتراف:

اسلامی ثقافت میں اپنی غلطی وخطا کا اعتراف بڑی اہمیت وارزش کا حامل اور لائق ستائش ہے اور گناہ کا اعتراف اصلاح ومغفرت کا پیش خیمہ ہے۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''وَ اللّٰہِ مَا یَنْجُو مِنَ الذَّنْبِ إِلَّا مَنْ أَقَرَّ بِہ''

''خدا کی قسم گناہ سے نجات اسے ہی میسر آئے گی جس نے اعتراف گناہ کیا۔''(الکافی ج ۲)

اور پھر فرماتے ہیں خداوند تعالیٰ اپنے بندوں سے دو خصلتوں کا منتظر ہے۔

۱۔ نعمات کا اعتراف تا کہ ان میں اضافہ کیا جائے۔

۲۔ گناہوں کا اعتراف تا کہ ان سے پردہ پوشی کی جائے۔(الکافی ج ۲)

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: استغفار کی طرف پہلا قدم گناہ پر پشیمانی اور دوسرا دوبارہ انجام نہ دینے پر عزم راسخ ہے۔

مگر توجہ رکھیں اسلام میں گناہ کا اعتراف مسیحیت میں اعتراف سے مختلف ہے۔ کیونکہ مسیحیت میں لوگ، بندگان خدا اور پادریوں کے حضور اعتراف گناہ کرتے ہیں کہ جو اسلام کی نظر میں ناپسندیدہ ہے۔ اسلام میں اعتراف خدا کے حضور ہے اور بندگان خدا سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اعتراف گناہ سے مراد صرف گناہ کو قبول کرنا نہیں بلکہ اس سے پرہیز کرنے کا وعدہ و عہد ہے۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

''غایة العقل الاعتراف بالجهل''

''کمال عقل اپنی جہالت کا اعتراف ہے۔'' (عیون الحکم والمواعظ ص ۳۴۸)

اور پھر فرماتے ہیں:

''حسن الاعتراف یهدم الاقتراب''

''بہترین اعتراف گناہوں کی خواہش کو نابود کر دینا ہے۔'' (الارشاد ج ۱)

اگر اجتماعی مسائل میں مسئولین، عوام کی فلاح و مصالح کی خاطر کئے گئے کسی فیصلے کے غلط ہونے پر آگاہ ہو جائیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کریں تو یہ عوام سے عذر خواہی کے مترادف ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ مسئولین اپنی رائے پسندی اور ڈکٹیٹر شپ سے دور ہیں اور لوگوں کے احترام کے قائل ہے۔

وہ مہم نکتہ کہ جس کی طرف امام خمینیؒ متوجہ کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ:

''اگر آپ کوئی چیز، کوئی مطلب بیان کریں اور بعد میں اس کے غلط ہونے کا پتہ چل جائے تو کیا آپ اس غلطی کا اعتراف کرنے کیلئے تیار ہیں یا اسی کو انجام دینے پر بضد؟ ڈکٹیٹر شپ کے مفاسد میں سے ایک یہ ہے کہ ڈکٹیٹر اگر کوئی ایک مطلب بیان کرتا ہے اور اس کے غلط اور خلاف مصلحت ہونے کے یقین کے بعد بھی ڈکٹیٹر کیلئے اپنی غلطی کا اعتراف کرنا اور اپنے الفاظ واپس لینا

بہت مشکل ہوتا ہے اب وہ کہتا ہے کہ جو کچھ میں نے کہ دیا (وہ غلط ہے یا صحیح) اسے انجام پانا چاہیے یہ بہت بڑی ڈکٹیٹرشپ ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۴)

امام راحلؒ اسی موضوع کو کسی اور زاویے سے دیکھتے ہیں اور اس کیلئے اسلامی مبنیٰ بھی بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: ہم چاہتے ہیں کہ معاشرے میں اسلام نافذ کریں پس جب کسی مسئلے میں غلطی کریں تو صراحت کے ساتھ کہہ دیں کہ غلطی کی ہے۔ اسی مبنیٰ کی بدولت علماء کا اپنے فتویٰ سے عدول (فتویٰ دینے میں غلطی کی صورت میں اسے تبدیل کرنا) ایک رائج عمل ہے اور قاضی اگر قضاوت میں غلطی کرے تو ضروری ہے کہ اقرار کرے اور باقی مسئولین بھی جب کبھی غلطی کریں تو اپنی غلطی کا اعتراف کریں اور اس غلطی سے لوگوں کو آگاہ کریں جو کہ ایک ذمہ داری ہے۔

مہم یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ شریعت اسلام کے مطابق مسائل کو حل کریں پس اگر پہلے غلطی کی ہے تو صریحاً اس کا اعتراف کریں اور علماء کا ایک فتویٰ سے دوسرے کی طرف عدول یہی معنی رکھتا ہے۔ جب مجتہد اپنے فتویٰ سے عدول کرتا ہے تو گویا وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے خطا کی ہے اور میں اپنی غلطی کا اعتراف کر رہا ہوں شورائے نگہبان و سپریم کورٹ کے جج صاحبان کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

''اگر کسی مسئلہ و موقع پر غلطی کریں تو صریحاً اس کا اعتراف کریں کیونکہ ہم معصوم تو نہیں ہیں۔'' (صحیفہ امام ج ۱۸)

اور اس کے تسلسل میں فرماتے ہیں:

''میں نے شروع میں کہا تھا کہ علماء (حکومتی) امور میں دخالت نہ کریں مگر جب یقین ہو گیا کہ ناصالح افراد اسلام کو عملی شکل نہیں دے سکتے تو اپنی غلطی سے عدول کیا کیونکہ ہدف اسلام کو عملی شکل دینا تھا۔''

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے دس سال بعد ۱۹۸۹ء میں امام خمینیؒ نے ملک بھر کے علماء کو خط

لکھا اور اوائل انقلاب میں کی گئی بعض غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

''میں آج انقلاب اسلامی کی کامیابی کے دس سال بعد اعتراف کرتا ہوں کہ بعض فیصلے جو اول انقلاب میں میں نے مہم ذمہ داریاں اور عہدے ان افراد کو کہ جو اسلام ناب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واقعی اور خالص عقیدہ نہیں رکھتے تھے دینے کے حوالے سے کیے وہ غلط تھے کہ جن کے اثرات کی تلخی اتنی آسانی سے ختم ہونے والی نہیں ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۲۱)

۳۔ اعتماد بہ نفس

اعتماد بہ نفس کامیابی کی کنجی ہے۔ اگر کسی معاشرے کے مسئولین او عام افراد اعتماد بہ نفس کی دولت سے مالا مال ہوں تو وہ اہم امور کو با آسانی انجام دے سکتے ہیں اور مشکل اور سخت ترین حالات کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اپنی استعداد اور صلاحیت و قدرت پر یقین انسان کے لئے اپنے اہداف کو حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔

امام خمینیؒ اس موضوع پر جوانوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہتر یہ ہے کہ آپ دونوں جہتوں کو مدنظر رکھیں۔ میں نے کئی بار عرض کیا ہے کہ ایک تو خدا کی ذات پر اعتماد کریں۔ جب خدا کی خاطر کام کریں گے تو خدا آپ کی مدد و نصرت فرمائے گا آپ کے لئے راستوں کو کھول دے گا۔ جس شعبے میں بھی آپ فعال ہیں اس میں آپ کو ہدایت کے راستے دکھائے گا۔

اور دوسرا اپنی ذات اور اپنے نفس پر اعتماد کرنا ہے۔ اپنے آپ پر اعتماد آپ ماشاءاللہ جوان ہیں آپ ہر کام کو انجام دے سکتے ہیں۔ ہمارے موجدین، مختلف میدانوں میں ایجادات کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہمارے مبتکرین (Innovators) مختلف میدانوں میں ابتکارات لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس شرط پر کہ اپنی ذات پر اعتماد کریں۔ اور اعتماد بہ نفس کی دولت سے مالا مال ہوں۔ اور اسی چیز پر ایمان رکھتے ہوں کہ ہم کر سکتے ہیں۔ (we can do)۔

گذشتہ شاہی حکومت میں ''ہم نہیں کر سکتے'' کے نعرے کو عام کیا گیا تھا۔ ہر کسی کو یہ باور کروا دیا گیا تھا کہ ''ہم نہیں کر سکتے'' کوئی آئے اور ہمیں کرنا سکھائے اور وہ جو سکھانے آتے تھے وہ آپ کو سکھاتے نہیں تھے بلکہ غیروں کا محتاج بنا دیتے تھے۔''

امام راحل کے کلام میں خود باوری (اپنی قدرت و طاقت پر اعتماد) اور خود باختگی (ضعف نفس، عدم اعتماد بہ نفس) سے دوری بہت زیادہ نظر آتی ہے۔ آپ اعتماد بہ نفس اور خود باوری کی سطح کو مزید ارتقاء بخشتے ہیں اور ہمیشہ استکباری طاقتوں کے ساتھ مقابلہ اور مقاومت کی بات کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

''ایک مسئلہ جس کے بارے میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ فکر اپنے اذھان سے نکال دیں کہ ''سپر طاقتوں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا''

''اگر تم چاہو تو کر سکتے ہو کیونکہ خدا تمہارا مددگار ہے یہ ساز جو سپر طاقتوں اور ان کے حواریوں اور پٹھوؤں نے الاپا ہے کہ اگر ایک دو سپر طاقتوں پر تکیہ و انحصار نہیں کرو گے تو زندہ نہیں رہ سکوں گے۔ یہ سو فیصد غلط ہے۔'' (صحیفہ امام ج15، ص340)

حدیث عقل و جہل میں جو ''تودہ'' کے عنوان سے بحث ہے وہ امام خمینیؒ کی گئی تعریف کے مطابق اعتماد بہ نفس کے ساتھ قابل تطبیق ہے۔ جس کا معنا اعتماد بہ نفس، اطمینان نفس کیا گیا ہے کہ جو انسان کو ثابت قدم بنا دیتا ہے اور حزب شیطان کے مقابلے میں انسان کی حفاظت کرتا ہے اور جہل اور شیطان کے لشکروں پر اسے غلبہ عطا کرتا ہے۔

امام کے داماد آپ کے اعتماد بہ نفس اور توکل کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

جتنا بھی خطرناک حادثہ رونما ہوتا (چاہے وہ 15 خرداد کا واقعہ ہو یا دیگر اسی طرح کے واقعات۔۔) امام کے چہرے کے اثرات کبھی تبدیل نہ ہوئے عادی حالت سے امام کا چہرہ تبدیل نہ ہوا (رنگ اڑ جانا، سرخ ہو جانا، غصے کے آثار وغیرہ) آپ کے چہرے پر کسی قسم کی

تبدیلی کے آثار نمایاں نہ ہوئے۔ کیونکہ آپ کی تکیہ گاہ خداوند تعالیٰ کی ذات تھی اور یہ توکل آپ کی ذات اور آپ کے وجود کا حصہ بن چکا تھا۔

۴۔ انتقاد پذیری:

اسلامی ثقافت میں انتقاد پذیری کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ مثبت و اصلاحی تنقید ہمیشہ اپنی غلطیوں اور عیبوں کو دور کرنے کا باعث بنتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ افراد کے وجود میں نقص و عیب پایا جاتا ہے جس کو دور کرنا ضروری ہے انتقاد، اصلاح کا مقدمہ ہے۔ جب تک تنقید نہیں ہوگی افراد کے عیب و نقائص کی شناخت نہیں ہو سکے گی اور ان کی اصلاح کرنا ممکن نہ ہوگا۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''أَحَبُّ إِخْوَانِي إِلَيَّ مَنْ أَهْدَى إِلَيَّ عُيُوبِي''

''میرا بہترین دوست وہ ہے جو مجھے میرے عیوب کا تحفہ دے (یعنی ان کی اصلاح اور نشاندہی کرے۔'' (تحف العقول)

اسلامی ثقافت میں نصیحت و خیر خواہی سے مراد اصلاحی اور ہمدردانہ انتقاد ہے۔ جس کے مد مقابل دھوکہ دہی اور فریب ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''يَجِبُ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ أَنْ يُنَاصِحَهُ''

''مومن پر مومن کا حق ہے کہ وہ اسے نصیحت کرے۔'' (سفینۃ البحار)

امام علی علیہ السلام نے اپنے ان اصحاب کی کہ جو صداقت کے ساتھ اپنے نظریات کو بیان کرتے تھے، ناصح اور خیر خواہ ہونے کے عنوان سے تعریف کی ہے۔ جس طرح قیس ابن سعد، مالک اشتر نخعی۔

مالک اشتر ہی تھے جنہوں نے لوگوں کے اعتراض و انتقاد کو کہ جو فرزندان عباس کو حکومتی ذمہ

داریاں دینے کے حوالے سے کیا گیا امام تک پہنچایا اور امام نے مالک کے جواب میں کہا کہ ان سے بہتر کوئی ہے تو مجھے بتاؤ تا کہ اس کو یہ ذمہ داریاں سونپی جائیں۔

امام خمینیؒ نے بارہا نقد و انتقاد کی ضرورت پر تاکید فرمائی اور اسکو اصلاح کا مقدمہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تنقید، اصلاح کا مقدمہ ہے کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی بے عیب نہیں اور جب تک عیب بیان نہیں ہوں گے اصلاح ممکن نہیں ہے۔

اور امام خمینیؒ فرمایا کرتے تھے کہ: تربیت یافتہ افراد تنقید سے ناراض نہیں ہوتے کیونکہ اگر انسان نے اپنے نفس کو پاکیزہ کیا ہوا اور خودسازی کے مراحل سے گزرا ہو تو اس کے ماتحت افراد یا اس کی رعیت اس پر تنقید کرے تو اسے برا نہیں لگتا۔

شرائط انتقاد و انتقاد پذیری:

امام خمینیؒ نے مثبت تنقید، یا تنقید برائے اصلاح اور اس کو قبول کرنے کی شرائط بیان کی ہیں جن کو یہاں مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے:

(الف) منطقی ہو:

افراد کے اعمال کا محور اور مرکز حق ہے۔ (یعنی افراد کے اعمال و افعال حق کے مطابق ہونے چاہیں)۔ لہٰذا اگر کسی مسئلہ پر تنقید ہو تو ضروری ہے کہ منطقی انداز میں بغیر غیض و غضب و غصہ کے اسے قبول کیا جانا چاہیے۔ امام خمینیؒ خود اور دوسروں کو جو اس وقت مجلس شوریٰ اسلامی کے رکن تھے۔ تنقید کے دوران برے الفاظ کے استعمال سے سخت منع فرماتے تھے۔ اور فرمایا کہ: دوران تنقید قوہ عقل پر قوہ غضبیہ کو غالب نہ آنے دیں تنقید عاقلانہ اور منطقی ہونی چاہیے۔

درس کے دوران امام اپنے شاگردان کہ جو دوران درس اشکال و انتقاد نہیں کرتے تھے ان سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے کہ:

یہ درس ہے مجلس موعظۃ و نصیحت نہیں ہے کہ تم خاموش رہ کر سنتے رہو اور کوئی اشکال و بحث و

مباحثہ نہ کرو۔

ب) اطمینان وسکون کے ساتھ ہو:

تنقید اطمینان اور سکون وآرام کی فضاء میں ہونی چاہیے۔کسی کی توہین نہ ہو۔غضب ناک حالت میں اور ناراضگی کے انداز میں نہ ہوحتیٰ ایسا قاضی جو عدل وانصاف کے ساتھ حکم دے رہا ہو اس کو بھی روکا گیا کہ وہ اس حالت میں حکم نہ دے کیونکہ ممکن ہے اس کا غصہ وناراضگی اس کے حکم پر اثر انداز ہو۔

لہٰذا نقد وانتقاد بھی آرام والے ماحول میں، حب وبغض سے پرہیز کرتے ہوئے ہوتو نتیجہ خیز ہوتا ہے اور اگر کوئی چاہے کہ لڑائی جھگڑا اور جدال کی حالت میں تنقید کرے تو وہ بجائے اصلاح کے مسئلہ کو بگاڑ رہا ہے۔

ج) مصلحت کے ہمراہ اور تضعیف کے بغیر ہو:

تنقید میں حتماً کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہونی چاہیے اور جس پر تنقید کی جارہی ہے اس کی تضعیف بھی موردِ نظر نہ ہو فقط اصلاح کا پہلو مدنظر ہو۔

مثلاً ممکن ہے کسی مدیر یا مسئول پر تنقید ہوسکتی ہو لیکن اس کا وقت اور بیان کی کیفیت یا انداز مناسب نہ ہو جیسا کہ بعض اوقات کسی مسئول یا مدیر کی موقعیت اس طرح ہے کہ وہ ہمدردی اور تعاون کا مستحق ہے لیکن اچانک اس پر غیر منصفانہ اور شدید انتقاد شروع کر دیا جاتا ہے جو نظام کی تضعیف کا باعث بنتا ہے۔بڑا واضح ہے کہ ایسی تنقید ملک ونظام کیلئے مصلحت آمیز نہیں ہے۔

امامؒ ایسے افراد کو جو کہ مختلف اخبارات یا الیکٹرانک وسوشل میڈیا پر مختلف افراد کو بلا جواز تنقید کا نشانہ بنا کر ان کی توہین وتضعیف کا باعث بنتے ہیں انہیں شیاطین کے نام سے یاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انتقاد مصلحت آمیز اور برادرانہ ہو نہ کہ محض تذلیل وتضعیف کے لئے ہو۔

د) تنقید انتقام کی خاطر نہ ہو:

عیب ونقص ہر کسی میں ہوتا ہے جو بھی مسئول یا مدیر ہو ممکن ہے نقص وعیب رکھتا ہو۔کوئی بھی معاشرہ خطا سے پاک نہیں ہوتا حتیٰ پیغمبر اکرم (ص) وحضرت امیرؑ کے دور میں بھی لوگوں سے لغزشیں سرزد ہوتی تھیں ۔لیکن ضروری ہے کہ مثبت انداز سے تنقید کی جائے نہ کہ منفی انداز میں تو بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔اور اگر منفی انداز اپنایا جائے تو بہت سے مثبت مسائل بھلا دیئے جائیں گے اور منفی بافی شروع ہو جائے گی اور مقابلے اور جھگڑے کی فضاء قائم ہو جائے گی جو تنقید برائے اصلاح کو انتقام جوئی کی طرف کھینچ کر لے جائے گی۔

ناقد کو ناقد اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اصلی ونقلی کی پہچان کرتا ہے۔اصلی سکوں کو نقلی سکوں سے جدا کرنے والے کو نقاد کیا جاتا ہے۔

لہٰذا تنقید بھی درست کو نادرست سے الگ کرنے کے لئے ہونی چاہیے نہ انتقام لینے کی خاطر۔مثبت اور اچھی تنقید کسی کی طرف سے بھی ہو قابل قبول ہوتی ہے۔

حضرت مسیح ؑ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ:

خُذُوا الْحَقَّ مِنْ أَهْلِ الْبَاطِلِ وَ لَا تَأْخُذُوا الْبَاطِلَ مِنْ أَهْلِ الْحَقِّ كُونُوا نُقَّادَ الْكَلَامِ"

"حق کو اہل باطل سے بھی قبول کر لیں لیکن باطل کو اہل حق سے بھی نہ لیں اور ہمیشہ باتوں میں تنقید کرنے والے بنو۔"

تا کہ اصلی کو نقلی سے جدا کر سکو اور یہ بہترین طریقہ ہے نقد کرنے کا امام خمینیؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:

تمام مسئولین کو کہتا ہوں کہ آپس میں دست وگریبان نہ ہوں،ایک دوسرے کے خلاف بد گوئی اور انتقام جوئی نہ کریں۔

انتقاد اور انتقام میں فرق ہے ۔مثبت انتقاد کوئی بھی کر سکتا ہے لیکن منفی و انتقام جویی والا انتقاد، شیطان کا کام ہے۔انتقاد ایسا ہو کہ اگر جس پر تنقید کی جارہی ہے خود کو (تنقید کرنے والے کو) اس (جس پر تنقید کی جارہی ہے) کی جگہ بٹھا دے تو اس کے اپنے لئے قابل تحمل ہو اور اس کی دل آزاری کا باعث نہ بنے تو ٹھیک ہے۔

۵۔ بیت المال کے استعمال میں نظم وضبط:

بیت المال کا تعلق معاشرے کے تمام افراد سے ہے اور اسے تمام مسلمانوں کی مصلحت اور معاشرے کی سعادت کو مدنظر رکھتے ہوئے استعمال ہونا چاہیے۔

بعض مسئولین جونہی کسی مسئولیت یا عہدے پر فائز ہوتے ہیں تو وہ تصور کرتے ہیں کہ اس بیت المال کو اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہیں خرچ کر سکتے ہیں۔جس کو جتنا دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔جس کو جتنی بخشش وعطا اس میں سے کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

امام خمینیؒ نے بیت المال کے درست استعمال کو بیان کرنے کیلئے متعدد مرتبہ سیرت امام علیؑ سے استناد کیا اور امام کی سیرت کو مسئولین کے لئے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔امام خمینیؒ اس بات کے شدت سے قائل تھے کہ بیت المال کے ایک ایک روپے کا بھی حساب ہونا چاہیے۔آپؒ فرماتے ہیں:

طول تاریخ میں حکومت اسلامی کے عہدوں پر فائز ہونے والے افراد کے لئے یہ حکم ہے تا حد امکان بیت المال میں تصرف سے گریز کریں کیونکہ اس کے ایک درہم کا بھی اگلے جہان حساب ہوگا۔حتیٰ ہمیں اپنے کاموں کا اور بیت المال کے استعمال کا خدا کی بارگاہ میں حساب دینا ہو گا کیونکہ اگر ہم نے استعمال میں زیادتی کی ہے تو اس کی سزا ملے گی اور عدالت کی ہے تو جزائے خیر ملے گی۔اس بیت المال کو کہ جو مسلمانوں کا حق ہے اہمیت دو۔

امام خمینیؒ نے بیت المال کے دقیق استعمال کے حوالے سے سیرت امام علیؑ سے کچھ نمونے

ذکر کیے ہیں ہم چند ایک کو مختصر طور پر یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(الف) حضرت علیؑ نے اپنے والیوں اور نمائندوں کو جو راہنما نکات تحریر کیے ان میں آپ نے فرمایا کہ اپنے خطوط لکھنے میں بھی کفایت شعاری سے کام لو۔ امامؑ کے خط کے الفاظ یہ تھے:

''اپنے قلم کی نوکوں کو باریک کرو لکھتے وقت سطور کے درمیان فاصلہ کم رکھو، اضافی کلمات کو میرے لئے لکھنے سے پرہیز کرو، اور معانی پر توجہ کرو زیادہ روی نہ کرو کیونکہ مسلمانوں کا مال نقصان کو برداشت نہیں کرسکتا۔''

امام خمینیؒ مسئولین کو امامؑ کی اس سیرت پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ہم امیرؑ کی حکومت اور اس کی کیفیت کو مدنظر قرار دیں، وہ لوگ کہ جو حکومت میں ہیں اور حکومتی اداروں میں کام کررہے ہیں، آنحضرتؐ کی سیرت کو مدنظر قرار دیں اور اس چیز کی طرف توجہ کریں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ جس طرح علیؑ نے لکھا: کہ قلم کی نوکوں کو باریک کرو سطور کے درمیان فاصلہ کم رکھو فضول کلمات کو لکھنے سے پرہیز کرو یہ ایک دستور العمل ہے ان سب کے لئے جن کا بیت المال کے استعمال سے سروکار ہے۔

(ب) امام خمینیؒ ایک اور نمونے کے طور پر علیؑ کے بیت المال سے جلنے والے چراغ کو بجھانے کی طرف ارشارہ کرتے ہیں جب کوئی شخص ان کے ساتھ اپنے ذاتی معاملات پر بات کرنے کے لئے آتا ہے۔ امامؒ اس نکتے کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ:

کوئی بھی امیر المومنینؑ نہیں بن سکتا لیکن ان سے نچلے مرتبے تک ایک حد تک انسانی کمال تک پہنچنا ممکن ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

ہمیں ایک ایسا حاکم (مسئول) چاہیے جو ڈاکو نہ ہو ہم اس حد تک راضی ہیں کہ جو کم از کم مال المسلمین کو نہ لوٹے۔ ملت پر اتنا ظلم نہ کرے۔

امام خمینیؒ بیت المال کے استعمال میں بڑے دقیق تھے اور ہمیشہ اپنے اردگرد کے افراد پر نظر

رکھتے تھے کہ وہ وسائل وامکانات جو بیت المال سے حاصل کیے گئے میں ان کا بے جا استعمال نہ کریں۔آپ اجازت نہیں دیتے تھے کہ بیت المال کا فون لوکل کالز کے علاوہ بیرون شہر کالز کے لئے استعمال ہو۔

اور اپنے فرزند آقا احمد کو خصوصی طور پر فرمایا: تمہیں حتیٰ تہران یا دیگر شہروں میں بھی دفتر کے فون سے کالز کی اجازت نہیں ہے لیکن اگر دفتری کام یا انقلاب اسلامی سے مربوط کوئی کام ہوتا تو آپ اجازت دیتے تھے۔

امام علیؑ بیت المال کو بے جا بخشے یا کسی کو عطا کرنے کو ظلم وستم اور خیانت سمجھتے تھے: فرمایا؛

''جود الولاۃ بفیء المسلمین جور و ختر''

''حکومتی اداروں میں کام کرنے والے افراد کو بیت المال سے بخشش وعطا کرنا ظلم اور خیانت ہے۔''

۶۔ تواضع وانکساری:

تواضع وانکساری اولیاء الٰہی ومومنین کی صفات میں سے ہے جو کہ تکبر وخود پسندی کی ضد ہے۔متواضع انسان کا مقام ومرتبہ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت زیادہ ہے خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے بندوں ''عباد الرحمٰن'' کی صفات کو بیان کیا تو سب سے پہلی صفت تواضع کو قرار دیا اور فرمایا:

''وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا''

''اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین میں (فروتنی سے) دبے پاؤں چلتے ہیں۔(فرقان: ۶۳)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: خداوند تعالیٰ نے جناب داودؑ کو وحی کی اور فرمایا کہ:

يَا دَاوُدُ كَمَا أَنَّ أَقْرَبَ النَّاسِ مِنَ اللَّهِ الْمُتَوَاضِعُونَ كَذَلِكَ أَبْعَدُ النَّاسِ مِنَ اللَّهِ الْمُتَكَبِّرُونَ

''اے داؤد! لوگوں میں خدا کے مقرب بندے (نزدیک ترین بندے) وہ ہیں جو متواضع

ہیں اور خدا سے دور ترین بندے وہ ہیں جو متکبر ہیں۔'' (کافی ج ۲ ص ۱۲۳)

لہٰذا عاجزی وفروتنی خدا کے قرب کا باعث بنتی ہے اور لوگ بھی متواضع انسان کا احترام کرتے ہیں اور متواضع انسان لوگوں کے دلوں کو جیت لیتا ہے۔

امام خمینیؒ تواضع کے مسئلے میں اس طرح نصیحت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

تم لوگوں کے دلوں کو تواضع کے ذریعہ فتح کرو اور اگر تم نے دل جیت لئے تو اس کا اثر تیرے حق میں ظاہر ہوگا اور اگر دلوں کو نہ جیت پائے تو اس کا اثر تیری منشاء وخواہش کے خلاف ہوگا۔

یعنی انسان اگر چاہتا ہے کہ اپنی بات منوائے یا انسانوں کی رہبری ورہنمائی کرے تو دلوں پہ حکومت کرنا ضروری ہے ورنہ نتیجہ برعکس ہوگا۔

تواضع ہر شخص کے لئے اچھی صفت ہے لیکن مسئولین اور ایسے افراد جو حکومتی اداروں میں ہوں ان کے لئے لازم تر ہے۔ کیونکہ وہ اگر تواضع کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں تو کبر وخود پسندی جیسی شیطانی چالوں میں گرفتار ہو جائیں گے اور یہ غرور وکبر کی صفت انسان کو انحراف کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔

امام خمینیؒ اس خطرے کو مسئولین کے لئے اس طرح بیان فرماتے ہیں:

جب قدرت (عہدہ، مسئولیت) تمہارے پاس آئے تو زیادہ متواضع بننے کی کوشش کرو۔ جب کسی گروہ (یا تنظیم) کے مسئول یا رئیس بن جاؤ تو عاجزی وانکساری کو اپنے وجود میں زیادہ پروان چڑھاؤ کیونکہ اگر اس مسئلے میں سستی کی تو اس قدرت (مسئولیت) کی وجہ سے جو تمہیں دی گئی ہے شیطان کے دھوکے میں آجاؤ گے۔ اور شیطان تمہیں شکست دے دے گا۔

پیغمبر اسلامؐ عالم امکان کی عظیم ترین ہستی ہونے کے باوجود انتہائی متواضع شخصیت کے مالک تھے۔ اصحاب کے درمیان اس طرح بیٹھتے تھے کہ نا آشنا شخص نہیں پہچان پاتا تھا کہ ان میں سے رسول خدا (ص) کون ہیں۔

غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔آپ کے چلنے کا انداز عاجزانہ، گفتگو کا انداز متواضعانہ حتیٰ آپ کے ہر کام سے تواضع اور انکساری کا احساس ہوتا تھا۔

اس طرح علیؑ حاکم اور قدرت مند ہونے کے باوجود ان کی تواضع سب سے زیادہ تھی اور یہ بات یاد رکھیں کہ تواضع علم و معرفت سے پیدا ہوتی ہے۔اور کبر و سرکشی، جہالت و نادانی کی وجہ سے وجود میں آتی ہے۔

مسئولین سے جس تواضع کی توقع اور امید ہے وہ ایسے افراد کے ساتھ تواضع و انکساری سے پیش آنا ہے جو ان کی مسئولیت سے مربوط اور دیگر حکومتی امور میں ان سے رجوع کرتے ہیں۔ خصوصاً معاشرے کے محروم افراد، کیونکہ ممکن ہے مسئولین اچھی موقعیت اور معاشرتی سٹیٹس (Status) رکھنے والے افراد کے ساتھ تو تواضع سے پیش آئیں لیکن یہ تواضع ان کے وجود کے اندر سے انجام نہ پائے بلکہ محض ظاہری حد تک ہو۔وہ تواضع انسان کے لئے اہمیت کی حامل ہے جو انسان کے وجود کے اندر سے ظاہر ہو کر سامنے آئے اور اس کا اظہار معاشرہ کے فقیر و محروم افراد کے ساتھ ہو۔

امام علیؑ ایسی تواضع کو قابل تحسین سمجھتے ہیں جو امراء کی محروم اور فقیر عوام کے ساتھ ہو۔

''مَا أَحْسَنَ تَوَاضُعَ الاغنیاء للفقراء طَلَباً لِمَا عِنْدَ اللّٰه''

''ایک اور مقام پر امام علیؑ مالک اشتر کو ایک خط میں مسئولین و حکام کو ضعیف و محروم لوگوں کے سامنے تواضع کی تاکید کرتے ہیں اور تواضع کو خدا کے نزدیک بلندی درجات و مقام کا باعث شمار کرتے ہیں۔''(نہج البلاغۃ: حکمت 406)

''تَوَاضَعْ لِلّٰهِ يَرْفَعْكَ اللّٰهُ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلضُّعَفَاءِ وَ أَرِبِهِمْ إِلَى ذَلِكَ مِنْكَ حَاجَة

''خدا کی خاطر تواضع کرو تا کہ خدا تمہارے مقام و مرتبے کو بلند کرے اور ناتوان لوگوں کے

سامنے تواضع کا اظہار کرو اور ان کو اس بات کا یقین دلاؤ کہ اس کام میں (تواضع وفروتنی) میں تم ان کے محتاج و نیاز مند ہو۔'' (مدیریت وساسیت: ص 121)

امام علیؑ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"آلَةُ الرِّئَاسَةِ سَعَةُ الصَّدْرِ"

''سعہ صدر (وسعت ظرفی) حکومت وریاست کا وسیلہ ہے۔'' (نہج البلاغہ، حکمت ۱۷۶)

خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو خطاب کر کے فرمایا کہ:

اے موسیٰؑ ہم نے تمہیں اس لیے نبوت عطا کی ہے کہ تم میں تواضع وانکساری زیادہ ہے۔

اپنے زمانے کے مجتہد مقدس اردبیلی ایک دفعہ کسی قافلے کے ساتھ سفر پر جا رہے تھے تو کسی بندہ مومن نے جوان کو نہیں پہنچانتا تھا کہا کہ بھائی یہ میری قمیض دھودو، مقدس اردبیلی جو خود بزرگ عالم اور مجتہد تھے لیکن اس مومن کی خواہش کے مطابق اس کا کرتہ دھو دیا۔

کسی نے جب آپ کو یہ کام کرتے دیکھا تو اس نے اس بندہ مومن کو متوجہ کیا کہ جس سے تم کرتہ دھلوا رہے ہو جانتے ہو وہ کون ہے؟ کہا نہیں جانتا۔

کہا۔ اس دور کا مجتہد مقدس اردبیلی ہے۔

وہ شخص بڑا شرمندہ ہوا اور مقدس اردبیلی سے معذرت طلب کرنے لگا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں اور آپ کی شان کے خلاف کام آپ کو کہہ دیا۔ لیکن مقدس اردبیلی نے بڑے متواضعانہ انداز میں اسے کہا بھائی اس میں معذرت والی کون سی بات ہے۔ مومن کا مومن پر حق ہے کہ وہ اس کی مدد کرے لہٰذا تم نے مجھے اپنا حق ادا کرنے کا موقع دیا میں تمہارا شکر گزار ہوں۔

۷۔ خدمت گزاری:

عوام الناس اور اسلامی معاشرہ کی خدمت ایسی اقدار میں شامل ہیں جو امامؒ کی ثقافتی اور اجتماعی فرہنگ میں اساسی نقش رکھتا ہے۔ امامؒ کی نظر میں حکومت اسلامی کا ایک مقصد عوام الناس کی

خدمت ہے، پیغمبر اکرمؐ لوگوں کے خدمت گزار تھے، آپ کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

''تمام سرکاری عہدہ داروں کو چاہیے کہ اپنی مسئولیت کو احسن طریقے سے انجام دیں اور عوام کی خدمت بجالائیں۔ حکومت اسلامی عوام کی خدمت کی ذمہ دار ہے۔ پیغمبر اکرمؐ بھی عوام کے خدمت گزار تھے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۳)

''آپؒ کی نگاہ میں بندگان خدا کی خدمت خدا کی خدمت ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۵) اور یہ خدمت عوام کا حق ہے اور عبادت۔ امام جعفر علیہ السلام اپنے اہواز کے نمائندہ کو ایک خط کے ذریعہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مشکلات کو حل کریں۔

''من اخدم اخاہ اخدمہ اللہ من الولدان المخلدین واسکنہ مع اولیائہ الطاہرین''

''جو بھی اپنے بھائی کی خدمت کرے گا خداوند اس کی خدمت کیلئے بہشتی جوانوں کو معین کرے گا اور اسکا مسکن اپنے پاک وطاہر اولیاء کے ساتھ قرار دے گا۔''

(قاموس الاخلاق والحقوق ص ۱۲۵)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''جو مسلمان بھی اپنے برادر ایمانی کے ایک گروہ کی خدمت انجام دے گا تو خداوند تعالیٰ اس گروہ کی تعداد کے برابر بہشت میں خدمت گزار اس کو نصیب فرمائے گا۔'' (الکافی ج ۲)

لوگوں کی خدمت ایک وظیفہ کے عنوان سے کی جائے اور خود کو بڑا اور بزرگ تصور نہ کیا جائے اور خدمت گزاری میں محرموں اور ناتوانوں پر زیادہ توجہ کریں اور خدمت کے وقت ان کی تحقیر نہ کی جائے۔ جمہوری اسلامی کے غرباء کی خدمت جہاد میں شمار ہوتی ہے۔ اور اس خدمت کا ثمرہ خداوند تعالیٰ کے حضور سکونِ روح اور آبرومندی ہے۔

''میرا آپ سے تقاضا ہے کہ ایسے کام جو خدا، معصومینؑ اور عوام کی رضا کے مخالف ہیں، ان

سے اجتناب کریں۔ یہ دنیا آپ کے پاس چند دنوں کیلئے آئی ہے، عوام کی خدمت کریں تا کہ خدا کے حضور آبرومند رہیں اسے لڑائی جھگڑے کی بجائے صلح وآشتی سے گزاریں'' (صحیفہ امام ج ۱۳)

۸۔ سادہ زندگی بسر کرنا:

سادہ زندگی بسر کرنا ایک ایسا عمل ہے جو ہمیشہ مسئولین کے مدنظر رہنا چاہیے۔ مسئولین کی سادگی عوام کی بہت سی مشکلات کو قابل حل بناتی ہے اور وہ روحانی اور نفسیاتی مشکلات میں گرفتار نہیں ہوتے۔ امیر المومنین علیہ السلام جب خلافت ظاہری پر منبر افروز ہوئے تو کافی ثروت رکھتے تھے سب کو راہ خدا میں انفاق کر دیا اور خود سادہ زندگی پر قناعت کی اور عاصم بن زیاد نے جب حلال نعمتوں کا استعمال خود پر بند کر لیا اور مولاء علیہ السلام کے سوال پر جواب دیا کہ ترک دنیا میں نے آپ سے سیکھا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''وَيْحَكَ، إِنِّي لَسْتُ كَأَنْتَ، إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَرَضَ عَلَى أَئِمَّةِ [الْحَقِ] الْعَدْلِ أَنْ يُقَدِّرُوا أَنْفُسَهُمْ بِضَعَفَةِ النَّاسِ، كَيْلَا يَتَبَيَّغَ بِالْفَقِيرِ فَقْرُهُ''

''تجھ پر وائے ہو میں تیری مانند نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ نے آئمہ عدل پر فقیروں جیسی زندگی گزارنا فرض قرار دی ہے تا کہ فقیر کو اس کا فقر جوش اور بغاوت میں مبتلا نہ کر دے۔''

جو ملاک امیر المومنینؑ نے بیان فرمایا ہے وہ تمام بااثر مسئولین کو شامل ہے۔ تا کہ مسئولین اپنے مال و دولت اور عیش وعشرت سے نادار طبقہ کی پریشانی کا سبب نہ بنیں۔ بلکہ اپنی سادہ زندگی سے غرباء کے لئے ایک پرسکون زندگی فراہم کریں اور کوشش کر کے ان کی سطح زندگی کو ارتقاء بخشیں۔ اور امام راحلؒ مسئولین کی سادہ زیستی کی خاطر بار بار پیغمبر اکرمؐ اور امیر المومنین کی زندگی کی مثالیں بیان کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

''آپ اسلامی سربراہوں کی زندگی مشاہدہ کریں مثل پیغمبر اکرمؐ جو کہ اسلام کے پہلے رئیس اور مسئول تھے اور امیر المومنین جو آپؐ کے بعد سربراہ اسلام تھے۔ آپ خود مشاہدہ کریں کہ ان کی

زندگی کی صورتحال کیسی تھی کیا ان میں آمریت تھی؟۔۔۔۔۔۔۔۔ان کی زندگی فقراء کی زندگی جیسی تھی اور بیت المال عوام الناس کی خدمت میں تھا اور اپنی ذات کی خاطر اس میں تصرف نہیں کرتے تھے۔'' (صحیفہ امام ج ۴)

اور امامؒ سیرت امیر المومنین کی ایک جھلک بیان کرتے ہیں اور آپ کے لباس اور جوتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

''اس کے باوجود کہ آپؑ خلیفہ تھے جمعہ پڑھنا چاہتے تھے اور دوسرا لباس نہیں تھا وہی گیلا لباس ہی زیب تن کر کے منبر پر بیٹھے اور اسے خشک کرنے کی خاطر حرکت دے رہے تھے اور ایک جوتا تھا جس کی مرمت بھی خود ہی کرتے تھے۔ اور آپؑ نے فرمایا اگر اقامہ عدل نہ کر سکوں تو تمہاری حکومت میرے نزدیک اس ٹوٹے ہوئے جوتے سے بھی بے قیمت ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۲۰)

اور امام خمینیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم مثل علی علیہ السلام تو نہیں ہو سکتے مگر تقویٰ اور پاکدامنی سے ان کی پیروی تو کر سکتے ہیں۔ امامؒ خود تمام زندگی سادہ زیست ہی رہے اور سادگی کا خیال رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کی رہبری اور حکومت بھی سادہ زیستی کو آپؒ سے دور نہ کر سکی۔ انقلاب اسلامی سے پہلے ایک پاکستانی ڈاکٹر محمد باقر نے قم میں امامؒ سے ملاقات کی اور اس دوران امامؒ نے اسے سادہ غذا پیش کی اور انقلاب کی پیروزی کے بعد دوبارہ اسے دعوت دی گئی تو امامؒ نے اب بھی سادہ کھانے کا اہتمام ہی کروایا۔

امامؒ کی حکومت کے دوران تمام مسئولین پر سادگی کی فضا قائم تھی اور امامؒ تمام مسئولین بالخصوص علماء کو سادہ زیستی کی تلقین کرتے تھے اور عالیشان زندگی اور نمود و نمائش کے نقصانات بیان کرتے تھے:

۱۔ شکست اسلام، کیونکہ علماء کی شکست اسلام کی شکست ہے۔

۲۔ عوام کی جانب سے ریجیکٹ ہونا۔

۳۔ معنویت سے دوری۔

۴۔ دنیااور آخرت کا خطرہ۔

۹۔ صبر واستقامت:

صبر واستقامت بھی ایک اخلاقی پہلو ہے جس کی امام خمینیؒ نے مسئولین کو بڑی تاکید کی ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ صبر کیا ہے اور اس کے مراتب کتنے ہیں۔

''الصبر: حبس النفس علی جزعٍ کامن عن الشکویٰ''

''مشکلات میں جزع وفزع سے بچنے کا نام صبر ہے۔'' (شرح حدیث جنود عقل وجہل)

پس اس تعریف کے مطابق باطنی آہ وبکا کے اظہار نہ کرنے اور مشکلات پر شکائت نہ کرنے کو صبر کہتے ہیں۔

بنابرایں ہر قسم کے تحمل اور سختی، مشکل اور مصیبت کے قبول کرنے کو صبر کہا جاسکتا ہے اور بعض اوقات مشکلات اور سختیوں کے تحمل کو استقامت کہا جاتا ہے اور معصومینؑ کے کلام میں صبر کے جو مراتب بیان ہوئے ہیں وہ تمام موارد کو شامل ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:

''الصبر ثلاثة: صبر عندالمصیبة و صبر علی الطاعة و صبر عن المعصیة''

''صبر کی تین قسمیں ہیں: مصیبت پر صبر، اطاعت پر صبر اور معصیت اور گناہ سے صبر۔''

امام خمینیؒ اس حدیث کی بنا پر صبر کے تین درجات بیان کرتے ہیں:

اول، مشکلات اور مصائب پر صبر: کہ انسان مصیبتوں اور مشکلات میں اپنے نفس پر کنٹرول کرے اور لوگوں کے سامنے مشکلات ومصائب پر شکوہ وشکایت کرنے سے پرہیز کرے مگر خالق کے حضور آہ وبکا کرنا عیب نہیں ہے۔

دوم، اطاعت میں صبر: کہ انسان خدا کے احکام کو بجالانے میں مطیع وفرمانبردار ہو۔ نفس امّارہ، اختیار کو انسان سے سلب نہ کرلے اور انسان کو بے لگام نہ کردے۔

سوم، معصیت پر صبر: کہ انسان جہاد بالنفس کرے اور لشکر ابلیس کے خلاف اپنے نفس سے جہاد کرتے ہوئے معصیت الٰہی انجام دینے سے رک جائے۔

جو صبر مسئولین کیلئے مطرح ہے: وہ اسلامی احکام کے اجراء، اطاعت اور اجمالی خطاؤں کے احتمال اور ان سے اجتناب پر صبر ہے۔

اسلامی نظام جمہوریت کہ جس کی تازہ بنیاد رکھی گئی ہے بہت سی مشکلات سے روبرو ہے اور صبر و استقامت کا نیاز مند ہے۔ امام خمینیؒ کام کی سختیوں اور مشکلات کو مطرح کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تصور نہ ہو کہ صرف ہم ہی مشکلات کے روبرو ہیں بلکہ امیر المومنین علیہ السلام جیسی ہستی بھی مشکلات سے روبرو تھی۔ اور آپؑ کی اکثر مشکلات کا سبب آپؑ کے ماننے والے ہی تھے اور اکثر اہل حق مشکلات سے روبرو ہی رہتے ہیں۔

''راہ حق میں مصیبت و پریشانی ہے، شیاطین راہ پر گھات لگائے بیٹھے ہیں تا کہ لوگوں کو منحرف کریں، یہ سب ابھی نہیں ہوا بلکہ عصر نبوی صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم میں بھی ایسے ہی تھا، پیغمبرؐ کی مشکلات ہم سے کہیں زیادہ تھیں، امیر المومنینؑ کی مشکلات ہم سے زیادہ تھیں انہیں بھی اکثر مشکلات اپنے دوستوں اور ماننے والوں کے ہاتھوں ہی ملیں۔'' (صحیفہ امام ج۹ ص ۳۰)

مگر ان تمام مشکلات پر پیغمبرؐ کا وظیفہ صبر و استقامت تھا۔ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں:

''شیبتنی سورۃ ھود''

سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ کیوں بوڑھا کر دیا؟ کیونکہ اس سورۃ میں ایک ایسی آیت ہے جو صبر و استقامت کی طرف دعوت دیتی ہے۔

''فاستقم کما امرت و من تاب معك'' (ھود ۱۱۲)

امام خمینیؒ نے کئی مرتبہ اس کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے اور فرمایا ہے ایسا نہ ہو کہ کل مشکلات کے سامنے صبر واستقامت کے دامن کو چھوڑ دیں۔

صبر واستقامت ہر کام میں نتیجہ خیز ہے اور نصرت وکامرانی اسی کے ہمراہ ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

''لَا یَعْدَمُ الصَّبُورُ الظَّفَرَ وَإِنْ طَالَ بِهِ الزَّمَان''

''صابر کامیابی کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اگرچہ اسے طولانی عرصہ تک ہی صبر کرنا پڑے۔'' (شرح حدیث جنود عقل وجہل ص ۳۲۴)

امام خمینیؒ نے اپنے مبارزہ کے طولانی عرصہ کے دوران استقامت کا تجربہ کیا ہے اور زمان انقلاب کی مشکلات کو تحمل کیا ہے، جنگ کی سختیوں کو بھی احسن طریقے سے ادا کیا ہے اور یقین رکھتے تھے کہ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ مشکلات کی خاطر اپنے ہدف کو چھوڑ دے یا مسئولیت سے دستبردار ہو جائے۔ اور مشکلات کی وجہ سے کسی قسم کی عقب نشینی کو شکست تصور کرتے تھے۔

''میری عمر ۸۵ سال ہے اور ضعف کی شدت کی وجہ سے جو ناراحتی وخستگی میرے لئے ہے آپ کیلئے نہیں اگر مسئولیت کو خدا حافظ کرنا چاہیے تو مجھے حتماً خدا حافظ کر دینا چاہیے مگر ایسے میدان میں داخل ہوئے ہیں کہ اگر ایک قدم بھی پیچھے ہٹے تو گویا ہم نے شکست کو تسلیم کر لیا۔''

(صحیفہ امام ج ۱۸ ص ۲۷۴)

امامؒ کے نزدیک جو بھی اپنے وظیفہ پر عمل کرے مفہوم شکست اس کیلئے بے معنی ہے اور قول معصومؑ کے مطابق مومن پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم ہے۔

امام باقرؑ فرماتے ہیں:

''المومن اصلب من الجبل، الجبل یستقل منه و المومن لا یستقل من دینه''

''مومن پہاڑ سے سخت تر ہے کیونکہ بعض اوقات پہاڑ میں تو کمی واقع ہوجاتی ہے لیکن مومن کے ایمان میں کسی صورت کمی واقع نہیں ہوتی۔'' (الکافی ج ۲ ح ۷ ۳)

''چنانچہ جس راستہ کا مسئولین نے انتخاب کیا ہے یہ اسلام کی خدمت ہے اور مورد حمایتِ الٰہی ہے۔ اور اگر اس راہ میں استقامت ہے تو ہمیشہ نصرت الٰہی ہمراہ ہے۔ اگر خدا کی نصرت کریں تو خدا بھی تمہاری نصرت کرے گا۔'' (صحیفہ امام ج ۱۸ ص ۴۳۹)

۱۰۔ عفو واحسان:

عفو و گذشت کا شمار ان نمایاں خصوصیات میں سے ہے۔ جن سے مسئولین کو آراستہ ہونا چاہیے اور دوسروں سے معاملات میں درگذشت کے دامن کو تھامے رکھیں۔ عفو و درگذشت ایک دستور الٰہی ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے حبیب ؐ کو بھی اس کی سفارش کرتا ہے۔

خذا العفو و امر بالعرف و اعرض عن الجاهلين

''اے پیغمبر عفو و گذشت کا دامن تھامے رکھیں امر بالمعروف کریں اور جاہلوں سے دوری اختیار کریں۔'' (اعراف ۱۹۹)

عفو و بخشش عموماً فتح و کامیابی کے وقت نمایاں ہوتا ہے اس لئے انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے وقت امامؒ کی ذات سے مطرح ہوا اور آپؒ نے اسلام کو عفو و درگذشت کا دین معرفی کیا اور فرمایا: ''اسلام عفو و درگذشت کا مذہب ہے'' (صحیفہ امام ج ۱۱ ص ۱۲۸)

اور امام علیؑ فرماتے ہیں: ''عفو و درگذشت فتح و کامرانی کی زکوٰۃ، بہترین احسان اور قدرت کی زینت ہے۔'' (شرح غرر الحکم ج ۱ ص ۷۹)

انقلاب کی کامیابی کے بعد امام خمینیؒ نے عام معافی کا اعلان کیا:

''ہم نے امام زمان (عج) کی اتباع میں عام معافی دی اور جن افراد نے گناہان صغیرہ انجام دیئے ہیں ان کو معاف کیا۔'' (صحیفہ امام ج ۷ ص ۹۳)

''اور انقلاب اسلامی کی کامیابی سے پہلے کے تمام قید ہونے والے قیدیوں کے بارے فرماتے ہیں کہ ان کی صورت حال کا جائزہ لیا جائے اور ملزموں کی بررسی کی جائے اور جو مرتکب صغیرہ ہوئے ہیں انہیں معاف وآزاد کیا جائے۔'' (صحیفہ امام ج۸ ص۵۱۸)

اور فوج کے بارے بھی یہی حکم صادر کیا اور پہلوی حکومت میں کام کرنے والے افراد کیلئے بھی ایسے ہی احکام جاری کئے اور فرمایا: ''ایک دوسرے کے بارے میں درگذشت وچشم پوشی سے کام لیں۔'' (صحیفہ امام ج ۱۴ ص ۲۱۸)

امام خمینی ؒ کے کلام میں عفو وبخشش سے مربوط جو عناوین آتے ہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

الف، رأفت ورحمت: اہل لغت رأفت کو رحمت سے لطیف ورقیق سمجھتے ہیں رأفت عقل کے لشکر سے ہے اور اس کا متضاد قسوت وغضب ہے اور قساوت دل کی غلظت اور سختی کو کہتے ہیں۔ قرآن میں خداوند تعالیٰ مومنین کی دونوں صفات کے ذریعے مدح کرتا ہے: مومنین ایک دوسرے کیلئے رؤوف ورحیم ہیں اور کفار کیلئے سخت دل وغضبناک۔ امام خمینیؒ اس بارے فرماتے ہیں۔

''مجاہدین صدر اسلام جس طرح شمشیر برہنہ ہوتے اور دشمنان اسلام سے جنگ کرتے اسی طرح آپس میں رأفت، دوستی اور برادری سے پیش آتے، اسی طرح قرآن کریم صدر اسلام کے مومنین کے بارے میں فرماتے ہے کہ ''رحماء بینھم'' آپس میں رحمدل ''واشداء علی الکفار'' کفار پر سخت گیر ہوتے ہیں۔ (صحیفہ امام ج۹ ص۳۸۵)

اور ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں کہ اسلام تمام طبقات کے ساتھ کمال رأفت اور کمال رحمت سے برخورد کرتا ہے۔ مگر عیار، مکار اور سازشی افراد کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہے۔

ب، نرمی اور احسان: نرمی اور احسان کا تعلق جنود عقل سے ہے۔ رفیق کو اس کی نرمی اور احسان کی بدولت ہی رفیق کہا جاتا ہے۔ مجمع البحرین میں اس سے مراد کسی سے نیکی کے ساتھ پیش

آنا ہے۔اور امامؒ فرماتے ہیں کہ رِفق ونرمی ذات خداوند متعال کے جلوؤں میں سے ہے اور خداوند تعالیٰ اپنے بندوں سے نرمی اور احسان کے ساتھ پیش آتا ہے۔(شرح حدیث جنود عقل وجہل)

امام خانہ خدا کے مہمانوں کو پیغام میں فرماتے ہیں؛''بندگان خدا کے ساتھ رفق ومروت اور اخوت سے پیش آئیں اور مسلمین کے ساتھ احسان اور نیکی سے پیش آئیں۔''(صحیفہ امام ج۱۹،۲۹)

نیکی اور احسان کا تعلق الٰہی اور غیر مادی مکتب سے ہے۔اور امامؒ امیر المومنینؑ کا اپنے قاتل کے ساتھ احسان کا تذکرہ کرتے ہیں۔اور سپاہ کے مسئول سے ملاقات کے دوران احسان اور نرمی کو سپاہ کی محبوبیت کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

ج،عفوو گذشت: عفو وصفح کا تعلق جنود عقل سے ہے جس کا متضاد انتقام ہے اور امام خمینیؒ اس کا شمار بزرگ ترین کمالات انسانی میں کرتے ہیں۔خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

''واصفح ان اللہ یحب المحسنین''

''اے نبیؐ درگزر کریں خداوند تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''(المائدہ ۱۳)

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''والصفح ان یعفو الرجل عما یجنی علیہ و یحلم عما یغیظہ''

انسان کا اپنے خلاف انجام دیئے گئے کاموں سے درگذر کرنا اور غضبناک ہونے والے امور پر بردباری دکھانا عفو وگذشت کہلاتا ہے۔

اس بارے امام خمینیؒ فرماتے ہیں:''جن افراد نے بھی میری غیبت یا اہانت کی ہے میں نے سب کو معاف کیا اور خداوند تعالیٰ کے حضور سب کیلئے معافی کا طلبگار رہوں۔''(صحیفہ امام ج۶ ص۱۵۸)

اور تمام افراد کو کینہ اور انتقام جوئی سے دور رہنے کی سفارش کرتے ہیں اور حدود الٰہی اور قصاص کو انتقام جوئی کہنے والوں کی سرزنش کرتے ہیں اور اسے معاشرہ کی اصلاح اور تربیت کیلئے لازمی اور ضروری شمار کرتے ہیں۔''حدود الٰہی معاشرہ کی تربیت کی خاطر ہیں نہ کہ انتقام جوئی کی

خاطر۔‘‘(صحیفہ امام ج ۷ ص ۱۵۸)

۱۱۔ قانون کی حکمرانی:

قانون کا احترام اور توجہ امور کی درستگی کا سبب ہے اور امور کی ایک دوسرے میں دخل اندازی سے حفاظت کا ضامن ہے اور امام خمینیؒ اسلامی اور مملکتی امور کے اجراء پر بڑی تاکید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں جب قانون اپنے مراحل کو طے کرے تو اسکی پاسداری سب پر لازمی ہے۔ امامؒ فرماتے ہیں:

’’جس قانون کو آئین میں شامل کیا گیا ہے اس کا احترام سب پر لازم ہے جس قانون کو پارلیمنٹ نے قبول کیا اور شورائے نگہبان نے جسے اسلام و شرع کے مطابق سمجھا، سب پر اس کا احترام ضروری ہے۔ اگر سب قانون پر عمل کریں تو اختلاف پیدا نہیں ہوسکتا۔‘‘

(صحیفہ امامؒ ج ۱۴ ص ۳۷۸)

ہر قانون کا محور اسلام ہے اور عوام نے اسلام کی بیعت کی ہے کہ اس کے قوانین پر عمل کریں گے۔ حکومت اسلامی، قانون کی حکومت ہے اور جو فقیہ امت کی سربراہی کا حامل ہے اسے ڈکٹیٹر شپ سے دور رہنا چاہیے اور قانون پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں ۔’’اسلامی حکومت، قانون کی حکومت ہے یعنی قانون الٰہی، قانون قرآن وسنت۔ اور حکومت قانون کے تابع ہے یعنی خود رسول اکرمؐ اور امیر المومنین بھی قانون کے تابع تھے‘‘(صحیفہ امام ج ۱۱ ص ۲۲)

اسلامی قانون میں تمام لوگ مساوی ہیں اور سبھی کے ساتھ عدالت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے ایسا نہ ہو کہ اپنے رفقاء کے امور کو جلد انجام دیا جائے اور غریب یا نا آشنا منتظر ہی رہیں۔ حضرت علی علیہ السلام اپنی پناہ میں رہنے والی یہودی خاتون کے بارے میں ایسے عمل کرتے ہیں گویا کہ وہ مسلمان ہو اور فرماتے ہیں اس کے پاؤں سے اترنے والی پازیب کی مذمت میں اگر شرم وغیرت سے مرجائیں تو حق بجانب ہیں۔ امام خمینیؒ قوانین پر صحیح عمل ہونے اور معاشرے کی ترقی کے لئے

دونکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

الف) تشویق ورغبت دلانا: جوافراد اچھے کام سرانجام دیتے ہیں ان کورغبت دلائی جائے اوران کی قدردانی کی جائے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی کاریگر یا طبیب اچھا عمل انجام دے تو اس کی تصویر اخبار کے پہلے صفحے پر چھپنی چاہیے اوراس کے کام کی نوعیت بھی ذکر ہو یہ عمل اطباء کی تشویق کا باعث بنے گا اور وہ اپنے کام میں زیادہ دلچسپی لیں گے اور اگر کوئی کسی چیز کو ایجاد کرے تو تفصیل اور تصویر کے ہمراہ ذکر کیا جائے'' (صحیفہ امام ج۹ ص۲۰)

امیر المومنینؑ مالک اشترؒ کو لکھتے ہیں: ''ایسا نہ ہو کہ کل تیری نظر میں نیک اور بدکردار مساوی ہوجائیں یہ عمل نیک کی نیکی میں رغبت کی کمی اور بدکی بدی میں اضافہ کا باعث بنے گا۔''

اورفرماتے ہیں:

''ازجر المسیء بثواب المحسن''

''نیک اورمحسن انسان کواجروثواب دے کر، بدکردار کواس کی بدی سے روکیں۔'' (نہج البلاغہ)

ب) اصلاح: اگر بعض افراد اپنے فرائض سے ناآشنا ہیں اورممکن ہے ان سے کوئی غیر قانونی کام سرانجام پا جائے، لازم ہے کہ ان کی اصلاح کی جائے کیونکہ ہم سب ایک ملت اور ایک دوسرے کو جوابدہ ہیں۔

فرماتے ہیں: ''جتنا بھی ممکن ہوا اپنی اوردوسروں کی اصلاح کریں۔'' (صحیفہ امام ج۱۰ ص ۳۹۳)

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: ''اصلاح تمام افراد سے مربوط ہے اورتمام افراد کی اصلاح باہم اوربغیر تفریق کے ہونی چاہیے۔'' (نہج البلاغہ)

۱۲۔ مشاورت:

دوسروں سے مشورہ کرنا، ملکی مشکلات میں ان کی فکر و استعداد سے استفادہ اورمملکت کے

سیاسی اور اجتماعی امور میں ان کو شامل کرنے کا سبب بنتا ہے۔ خداوند پیغمبر اکرمؐ کو فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے مشورت کریں: ''وشاورھم فی الامر'' (آلعمران ۱۵۹)

''اور قرآن میں شوریٰ کے نام سے سورہ کا وجود اس موضوع کی اہمیت کا بیانگر ہے۔''

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: ''مشاورت سے بڑھ کر کوئی مددگار نہیں ہے۔''

''لا ظھیر کالمشاورۃ'' (نہج البلاغہ)

''والاستشار عین الھدایۃ وقد خاطر من استغنیٰ برایہ'' (نہج البلاغہ)

مشورہ ہدایت کی آنکھ ہے اور جو اپنی رائے کی برتری کا قائل ہو وہ خطرات میں مبتلا ہو جائے گا۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں: ''اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا ملک محفوظ اور نا قابل تسخیر ہو تو مسائل میں مشاورت کریں۔'' (صحیفہ امام ج ۱۵ ص ۳۸۰)

جن موارد میں علاقائی مسئولین اور علاقائی علماء مشورت کرنا چاہیں تو ایسے باخبر اور آگاہ افراد سے مشورت کریں جو علاقہ کے مسائل سے آگاہ ہوں۔

فرماتے ہیں: ''اگر مختلف گروہ آپس میں مشورہ کریں اور خدا کی خاطر کام کریں اور اپنے سے زیادہ آگاہ افراد سے مدد لیں تو دشمن کے پروپیگنڈا کا مقابلہ ممکن ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۵ ص ۳۶۲)

''انتخاب کے موقع پر ان پڑھ افراد کو فرماتے ہیں کہ مطمئن اور متدین افراد سے مشورہ کریں اور اپنے مطمع نظر افراد کو ڈھونڈ کر ان کا انتخاب کریں۔'' (صحیفہ امام ج ۱۲ ص ۲۷۸)

اور اپنی عدم آگاہی کو الیکشن میں شریک نہ ہونے کا بہانہ قرار نہ دیں اور فرماتے ہیں: ''کامیابی کے کمال کو حاصل کرنے تک تمام افراد متحد رہیں مل کر غور و فکر کریں اور ایک دوسرے سے مشورہ کریں۔'' (صحیفہ امام ج ۱۲ ص ۷۹)

اور فرماتے ہیں: ''جو بھی اسلام کا پسندیدہ موضوع ہے اس میں بحث و مشورت کی جائے''

اور اہم امور میں مشورہ کرنے پر زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ مخصوصاً سیاست خارجی اور اقتصادی

مسائل میں چند سپیشلسٹ افراد کی کمیٹی تشکیل دی جائے اور مشکلات سے آگاہ افراد کو مدعو کیا جائے اور مسائل کا جائزہ لیا جائے۔

امام خمینیؒ بہت سے مسائل میں دوسروں سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے کا احترام کرتے تھے لیکن بعض موقعوں پر آخری فیصلہ خود ہی کرتے تھے جو کہ خداوند کے فرمان کے مطابق ہے۔

''وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ''

''ان کے ساتھ مشورہ کریں مگر جب کسی کام کا ارادہ کرلیں تو خدا پر توکل کریں'' (آل عمران ۱۵۹)

بہت سے موارد میں امامؒ کی قاطعیت کا سبب ان کا مستقل بنیادوں پر فیصلے کرنا تھے۔ اس کی بدولت کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ امامؒ کے بنیادی و اصلی تصمیمات اور فیصلوں میں رکاوٹ بنے۔ کیونکہ امامؒ جب بھی کسی خاص نتیجہ پر پہنچتے تھے تو اس پر عمل بھی کرتے تھے اور فرماتے ہیں:

''مشورت صرف ان موارد میں ہے جہاں شبہہ ہو اور جن امور میں شبہ نہ ہو مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۲ ص ۲۱۳)

آیت اللہ فاضل لنکرانی فرماتے ہیں: ''میں نے امام خمینیؒ سے گذارش کی کہ بعض اوقات بزرگان کے ساتھ ایک جلسہ مشاورت کا اہتمام ہو جائے تو بہتر ہے۔ تو آپؒ نے فرمایا: جو مسائل پیش آئیں میں ان میں ایک نظر رکھتا ہوں اور اپنی رائے پر یقین کامل رکھتا ہوں اور تشخیص دیتا ہوں کہ میری رائے ہی درست ہے اور اسی کے مطابق ہی عمل ہونا چاہیے۔ تو اس صورت میں ان سے مشورت کیا نتیجہ دے گی اگر ان سے مشورہ کروں تو اس کا مطلب ہے میری رائے اور فیصلہ سے چشم پوشی کی جائے جب کہ میں اپنی رائے اور فیصلہ کو حتمی اور عملی شکل دینے کا یقین رکھتا ہوں۔''

(سرگذشتہای ویژہ از زندگی امام خمینی ج ۶ ص ۱۰۸۔۱۰۹)

امیر المومنینؑ عبداللہ ابن عباس کو فرماتے ہیں:

''لك ان تشير علی واری فان عصيتك فاطعنی''

''تمہارا فریضہ ہے کہ میری راہنمائی کرو اور میں خود بھی غور وخوض اور تفکر کرتا ہوں اور اگر تیرے برخلاف عمل کروں تو میری اطاعت تم پر ضروری ہے۔'' (نہج البلاغہ فیض الاسلام حکمت ۳۱۳)

اور جب طلحہ اور زبیر نے امیر المومنین سے کہا کہ آپؑ ہم سے مشورہ نہیں کرتے تو آپؑ نے فرمایا: ''کس حق اور معاملہ سے نا آگاہ اور ناتوان تھا یا اس میں خطا کا مرتکب ہوا جو تمہاری مدد کا محتاج تھا۔'' (نہج البلاغہ فیض الاسلام خطبہ ۱۴۴)

۱۳۔ نظم وضبط:

نظم اور وقت کی پابندی کا تعلق ایسے امور سے ہے جنہیں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ انسانوں کے اعمال، خاص شرائط اور خاص وقت میں انجام پاتے ہیں۔ نماز وقت خاص، روزہ ماہ خاص اور حج خاص منظم کے مطابق انجام پاتے ہیں۔ بندگان خدا بھی منظم پروگرام کے ذریعے ہی زندگی گزارتے ہیں۔ امام خمینیؒ کا تعلق ایسے استثنائی افراد سے تھا جو بہت منظم تھے اور دوسروں کو نظم، وقت شناسی وفرصت کے لمحات سے استفادہ کی بڑی تاکید کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: ''اسلام نظم کے مخالف نہیں بلکہ اسلام تو چاہتا ہے کہ نظم اور سسٹم کی حفاظت کی جائے۔'' (صحیفہ امام ج۱۶ ص۴۵)

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اوصیکما و جمیع ولدی و اهلی و من بلغه کتابی بتقوی الله و نظم امرکم''

''میں آپ دونوں (حسن وحسین علیہما السلام) اپنے تمام بیٹوں، اہل خانہ اور جس تک میرا یہ پیغام پہنچے، سب کو پرہیزگاری اور اپنے امور میں نظم وضبط کی وصیت کرتا ہوں۔''

(نہج البلاغہ فیض الاسلام نامہ ۴۷)

امام خمینیؒ کے مطابق نظم وضبط کا تعلق اسلامی مقررات سے ہے اور نظم قائم کرنے کے لئے حکومت کا قیام ضروری ہے۔ اور فرماتے ہیں:

''ایک ضروری و لازمی مطلب جس کی جانب تمام ہنر پیشہ افراد کی توجہ خواہ ان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو ضروری ہے وہ ہر جگہ اور ہر مقام پر نظم وضبط کا خیال رکھنا ہے۔''
(صحیفہ امام ج ۱۳ ص ۱۳۴)

اور فرماتے ہیں: ''اپنے امور میں نظم کا نہ ہونا من مانی کے مترادف ہے اور من مانی توحیدی معاشرہ کے ساتھ سازگار نہیں ہوسکتی۔'' (صحیفہ امام ج ۱۳ ص ۱۱۳)

اور فرماتے ہیں: تمام امور سسٹم اور نظم وضبط کے تحت ہونے چاہئیں اور نظم وضبط کی حفاظت الٰہی واجبات سے ہے۔ اور عدلیہ میں اس نظم کی حفاظت کی جائے ایسا نہ ہو کہ قاضی جب چاہے آئے اور جب چاہے نہ آتے۔ (صحیفہ امام ج ۱۳ ص ۱۱۴)

امام خمینیؒ کی زندگی میں نظم وضبط اور وقت کی پابندی کے بارے بیان کیا جاتا ہے:

''امام خمینیؒ نظم اور برنامہ میں ایک بے مثل انسان ہیں۔ ان جیسا ایران کے مذہبی اور سیاسی افراد میں نہ کسی کو دیکھا اور نہ ہی سنا گیا ہے۔ اپنے تمام امور حتیٰ حرکات وسکنات میں کوئی بھی ان کی مانند منظم نہ تھا۔ آپ اپنے تمام عبادی، اجتماعی، سیاسی اور انفرادی امور میں ایک منفرد سیرت کے حامل تھے اور ایک آٹومیٹک گھڑی کی مانند تمام امور کو اپنے مقرر وقت پر انجام دیتے تھے۔ اور آپ کے اہل خانہ اور رفقاء آپؒ کے کاموں کے شروع اور ختم کرنے، مطالعہ کے شروع اور اختتام، خواب و بیداری، تدریس ونماز اور چہل قدمی سے وقت کا تعین کر لیتے تھے۔ (بررسی وتحلیلی از نہضت امام خمینیؒ ج ۱، ص ۴۲)

3) مسئولین کیلئے اخلاقی مشکلات ورکاوٹیں:

جس طرح مسئول افراد کیلئے ضروری ہے کہ وہ اخلاقی فضائل سے آراستہ ہوں اور معاشرہ کی خدمت کیلئے محاسن اخلاقی کو کسب کریں ان کمالات ومحاسن اخلاقی کے مطابق، افراد سے پیش آئیں۔ اسی طرح رذائل اخلاقی وناپسندیدہ اعمال سے دوری اور اجتناب بھی ان کیلئے ضروری

ہے۔تاکہ ہوائے نفس کے اسیر نہ ہوں اور دوسروں کے حقوق کو ضائع نہ کریں، ان پر ظلم وستم روا نہ رکھیں اور اپنی ذمہ داریوں کو شائستہ طریقہ سے انجام دیں۔ اخلاقی بے راہ روی کو رذائل اخلاقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض رذائل اخلاقی کا ذکر درج ذیل ہے:

آپؒ کی کتاب چہل حدیث کا زیادہ حصہ رذائل اخلاقی کے علاج سے مختص ہے اور شرح حدیث جنود عقل وجہل میں ہر عقل کے سپاہی کے مقابلے میں جہل کی قوۃ کی تشریح کی ہے مگر یہاں اسلامی معاشرہ سے مربوط مسئولین کے آسیب اور اخلاقی رکاوٹوں کا ذکر منظور ہے جس کا تذکرہ صحیفہ امامؒ میں موجود ہے۔

۱۔ اختلاف:

اختلاف ونزاع سبب بنتا ہے کہ معاشرہ کے امکانات اور قوت ضائع ہو جائے۔ جو بھی معاشرہ اختلاف وتفرقہ سے دوچار ہو وہ کبھی بھی اپنے مقاصد کو حاصل نہیں کرسکتا۔ قرآن فرماتا ہے:

''واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا....''

''خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔'' (آل عمران ۱۰۳)

اور پھر فرماتا ہے:

''ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم''

''پس میں تنازع واختلاف سے بچو ورنہ سست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہیبت اور قوت ختم ہو جائے گی۔'' (انفال ۴۶)

اسلام وحدت کا دستور دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں متحد رہیں۔ اور امام خمینیؒ اس بارے فرماتے ہیں:

''دستور خداوند کے مطابق تمام مسلمان ایک ہاتھ کی مانند ہیں دو ہاتھوں کی مانند نہیں۔ اور دو دوست نہیں کہا، یعنی ممکن ہے ایک ہاتھ ایک طرف جائے تو دوسرا کسی اور طرف بلکہ کہا سب ایک

ہاتھ ہیں۔ مسلمان اسی طرح وحدت کا مظاہرہ کریں تو کسی آسیب اور ضرر کا خطرہ نہیں۔ آسیب و آفت ہمیشہ اندر سے ہی نکلتی ہے۔ بیرون سے بالکل بے خوف وخطر رہیں بلکہ انسان کو اپنے اندر سے ڈرنا چاہیے۔'' (صحیفہ امامؒ ج ۱۲ ص ۴۰۶)

اور فرماتے ہیں: اختلاف کا سبب ہوائے نفس ہے آپس میں کہیں بھی اختلاف کو دیکھیں تو مطمئن رہیں کہ اس کا سرچشمہ ہوائے نفس ہے۔ البتہ انبیاء اور ان کے مقابلے میں باقی افراد اور اسی طرح اسلام اور کفر کا اختلاف بھی موجود ہے جس کا سرچشمہ عبودیت ہے اور یہ اختلاف بھی ہمیشہ سے ہے۔ (صحیفہ امام ج ۱۸ ص ۱۳۴۔۱۳۵)

امامؒ حق و باطل اور اسلام و کفر کے اختلاف کا انکار نہیں کرتے مگر قائل ہیں کہ اگر اسلام اور مسلمین کے درمیان اختلاف ظاہر ہو تو اس کا سبب ہوائے نفس ہی ہے اور فرماتے ہیں: اگر انسان کا تزکیہ نفس ہو اور تربیت ہو جائے تو سارے اختلاف ختم ہو جائیں گے۔ (صحیفہ امام ج ۱۲ ص ۳۹۱)

سارے اختلاف جھگڑے اور نزاع ہوائے نفس کی بدولت ہی ہیں۔ امامؒ فرماتے ہیں:

''اگر سارے انبیاء ایک جگہ جمع ہوں تو ان میں کبھی بھی ذرہ برابر بھی اختلاف نہیں ہو گا۔ کیونکہ نزاع کا سبب خودخواہی ہے۔ جس کا آغاز نفس سے ہوتا ہے اور انہوں نے نفس کو مار ڈالا ہوا ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۱ ص ۳۸۱)

اختلاف کا منصوبہ خواہ جس کی طرف سے بھی ہو شیطان کا کام ہے خواہ ایک عالم دین، انسان مقدس یا نماز گزار کی زبان پر ہی کیوں نہ جاری ہو۔ ایسے افراد شیطان کے زیرِ اثر ہیں مگر متوجہ نہیں ہیں۔ (صحیفہ امام ج ۲۰ ص ۷۹)

اختلاف کا سبب مادیات اور مادہ پرستی ہے اور افراد اگر خدا کی خاطر کام کریں تو اختلاف پیدا نہیں ہو سکتا۔ مگر مسئولین جب مادی منافع کو ملحوظ خاطر رکھیں گے تو اختلاف حتماً پیدا ہو گا۔ اور یہ لوگ معاشرہ کو بھی تفرقہ اور اختلاف میں مبتلا کر دیں گے۔

''خدانخواستہ اگر ہماری خواہشات ومنافع، مادی ہوجائیں اور خداوندتعالیٰ کوفراموش کریں اورمتوجہ دنیا ہوجائیں تو اختلاف ناقابل حل ہوجائے گا۔ جو دنیا میں مگن ہے ممکن نہیں اختلاف نہ ہو۔ مگر جو دنیا کی اعتنانہ کریں اور اپنی اقدار کے متوجہ رہیں تو ممکن نہیں ان میں اختلاف پیدا ہو۔ (صحیفہ امام ج ۲۰ ص ۲۲۴)

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''سبب الفرقة الاختلاف''

تفرقہ کا سرچشمہ اختلاف ہے۔(غررالحکم ج ۴ ص ۱۲۳)

۲۔ چاپلوسی:

قدرت اور اختیار کی مشکلات میں سے اہم ترین مشکل یہ ہے کہ کسی کی نظر میں محبوب بننے اور مقام حاصل کرنے کی خاطر اس کی بے جا تعریف اور چاپلوسی کی جائے۔ کیونکہ بااختیار اور باقدرت انسان اپنے مداح خواہوں سے خوش ہوتے ہیں، چاپلوسی کو پسند کرتے ہیں اور حقیقت گو افراد سے ناراض ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے چاپلوس اور مدح سرا ان ارباب اختیار کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور مقام ومنزلت پیدا کر لیتے ہیں۔

امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''لیس الملق من اخلاق الانبیاء''

''چاپلوسی کا اخلاق انبیاء سے کوئی تعلق نہیں۔'' (شرح غررالحکم ج ۵ ص ۲۷۳)

اور ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''ایاك والملق فان الملق لیس من خلائق الایمان''

''چاپلوسی سے دور رہو کیونکہ چاپلوسی ایمان کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔''

(شرح غررالحکم ج ۲ ص ۳۷۰)

اورامام خمینیؒ فرماتے ہیں:

''مقام وعہدہ خطرناک ہوتا ہے،اور اس خطرے کے مقابلے میں ذکر خدا سے مدد طلب کریں۔تمام مسئولین بالخصوص صدر مملکت چاپلوسوں اور حیلہ بازوں سے متنبہ رہیں اور اپنے مشیروں کا انتخاب ایسے افراد سے کریں جو انقلاب سے پہلے بھی انقلاب سے وفادار تھے ایسا نہ ہو کہ منافقین ظاہری تقوٰی کا سہارا لے کر کسی مقام اور عہدہ پر فائز ہو جائیں اور انقلاب اور مملکت کیلئے نقصان دہ ثابت ہوں۔'' (صحیفہ امام ج۱۹ص ۳۷۰)

امام خمینیؒ کا یہ فرمان حضرت علی علیہ السلام کے بیان کی عکاسی کرتا ہے جو انہوں نے حضرت مالک اشترؒ کو لکھے گئے خط میں فرمایا تھا:'' کاتبین کے انتخاب میں صرف اپنی فراست،اطمینان اور خودگمانی پر اطمینان نہ کرنا، کیونکہ لوگ والیوں کی توجہ کا مرکز بننے کیلئے ظاہر کو آراستہ اور خوش خدمتی کے ذریعے دھوکہ دیتے ہیں۔مگر وہ در پردہ خیر خواہی اور امانتداری سے دور ہوتے ہیں۔ان کی خدمات کا اندازہ اس امر سے لگائیں کہ وہ آپ سے پہلے والے باتقوٰی والیوں کیلئے کس قدر خدمت گزار تھے۔'' (مدیریت وسیاست ص۶۶)

امامؒ نے لفظ چاپلوسی کا بیشتر استعمال فاسد حکمرانوں کیلئے استعمال کیا ہے،خصوصاً پہلوی حکومت کے حکام کیلئے جو امریکی حکام کی چاپلوسی کرتے تھے اور عوام کیلئے ستمگر اور ظالم ہوتے تھے امامؒ فرماتے ہیں اگر عوام انقلاب بپا نہ کرتے اور گھروں سے باہر نہ نکلتے تو ابھی تک امریکہ اس مملکت پر حاکم ہوتا اور ہمیں اپنی غذائی اور دفاعی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے ابھی تک امریکی غلامی اور چاپلوسی کرنی پڑتی۔(صحیفہ امام ج۱۷ص۱۶۹)

یہ انقلاب اسلامی ایران ہی تھا جس نے دنیا کی ساری پیشن گوئیوں کو غلط ثابت کیا اور امریکی صدر جمی کارٹر اپنے سفارتکاروں کی آزادی کیلئے چاپلوسی اور حیلہ بازی پر مجبور ہو گیا۔

(صحیفہ امام ج۱۲ص۲۲۰)

رضا خان نے عوام کو دھوکہ دینے کیلئے اپنی دینداری کا اظہار کیا ماتم بپا کیا، مجالس کا اہتمام کروایا اور امام زادگان کے روضوں پر حاضری دی۔ امام خمینیؒ ایسی حکومت کو چاپلوسوں کی حکومت کہتے ہیں جیسا کہ شروع انقلاب میں بعض افراد نے کوشش کی کہ ایسی حکومت بنائیں جو ظاہر میں اسلامی اور در پردہ منافقانہ اور مصالح مملکت کے منافی ہو اور فرماتے ہیں اس حکومت کی کوشش عوام کو علماء اور یونیورسٹیوں سے دور کرنا ہے۔

اور فرماتے ہیں: ''عزیزان، خواہران، برادران اور کسی بھی طبقہ سے متعلق افراد توجہ کریں، ایسے واقعات اور منصوبہ بندی کی کوشش کی جارہی ہے کہ علماء کو عوام کی نگاہ میں کسی اور رخ میں پیش کریں اور لوگوں کو علماء سے دور کریں اور یونیورسٹیوں کو علماء سے جدا کریں اور اپنے مقاصد کو انجام دیں خواہ ایک ایسی چاپلوس حکومت کے ذریعہ سے جو ان کی مرضی کی ہو۔ یعنی ایک حکومت جس کا ظاہر تو اسلامی ہو اور ''وا اسلاما'' نعرہ آپ سے زیادہ لگانے والی ہو مگر باطنی طور پر اور در پردہ منافق ہو اور مصالح مملکت کے منافی کام کرے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۴ ص ۱۸۷)

امام نے شروع انقلاب میں جن دھوکہ باز اور مکار افراد کی اسلامی خدمات پر تمجید اور مدح و ستائش کا ذکر کیا تھا واضح کیا کہ میری ماضی کی گفتگو کہیں ملت کو دھوکہ میں نہ ڈال دے میں نے ان کی یہ تعریف اس وقت کی تھی جب وہ اپنے اسلام اور انقلاب کا اظہار کرتے تھے۔ اور فرماتے ہیں:

''میں نے دوران انقلاب و نہضت بعض افراد کی اسلام نمائی کی بدولت ان کی تعریف اور تمجید کی ہے مگر بعد میں متوجہ ہوا کہ ان کی فریبکاری اور مکاری سے دھوکہ کھا گیا۔ ان کی ساری تعریفیں اور تمجیدات اس وقت کی تھیں جب وہ اسلام اور انقلاب کیلئے وفاداری کا اظہار کرتے تھے۔ ایسے مسائل اور تعریفوں کا سو استفادہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر شخص کیلئے میزان اور حقیقت اس کا زمان حال اور موجودہ حالت ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۶ ص ۲۰)

امام کے ان الفاظ کا مطلب ہے کہ انقلاب کے دوران بعض افراد نے خود کو اسلام اور انقلاب کا وفادار ظاہر کیا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام اور انقلاب سے جدا ہو گئے اور دوسرے دعوے کرنے لگے۔لہٰذا ان کی موجودہ صورت حال کو مدنظر رکھ کر ان کے بارے میں قضاوت کی جائے کہ وہ کیا ہیں۔

۳۔ حرص:

طمع وحرص کا تعلق ایسی ناپسندیدہ صفات سے ہے کہ جن سے اجتناب حکومتی مسئولین کیلئے ضروری ہے۔

حرص کے بارے میں آقا نراقی فرماتے ہیں:''حرص نفس کی ایسی حالت اور صفت کو کہتے ہیں جس کی بدولت انسان ایسی چیزوں کی جمع آوری کی کوشش کرتا ہے جس کی اسے ضرورت نہیں ہوتی اور اس کے اکتفا کی حد معین بھی نہیں ہوتی۔''(علم اخلاق اسلامی ج ۲ ص ۱۳۷)

حرص توکل کا متضاد ہے اور امامؒ نے اپنی کتاب شرح حدیث جنود عقل وجہل میں اس موضوع پر کچھ روایات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔حرص کا تعلق حُبِ دنیا کے قوی ترین شعبہ سے ہے اور بے تردید یہ صفت افراد کی گمراہی کا موجب بنتی ہے اور ہلاکت کی حد تک لے جاتی ہے اور حریص اپنے حق پر قانع نہیں ہوتا اور ہمیشہ اپنے مال ومقام کے اضافے اور ترقی کے پیچھے ہوتا ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں:''جس قدر مال میں اضافہ ہوگا اسی قدر حرص میں اضافہ ہوگا۔اور جس قدر قدرت میں اضافہ ہو اور اگر انسان مہذب نہ ہو تو اسی قدر قدرت کے حرص میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔قدرت کو اپنی ذات کی خاطر چاہتا ہے اور قدرت کا جب اپنے لئے استفادہ کرتا ہے تو ایک قدرت مند انسان کو پیدا کرتا ہے اور اس کی پشت پناہی کرتا ہیں تا کہ اس کو کسی مقام ومنزلت پر پہنچا کر ملتوں اور قوموں کے ذخائر اور وسائل کو لوٹا جائے۔''(صحیفہ امام ج ۱۶ ص ۲۰)

افراد اور سیاسی جماعتوں کا قدرت طلبی کا جنون بڑی طاقتوں کیلئے نقطہ ضعف کے طور پر مورد

توجہ قرار پاتا ہے اور ایسے لوگ قدرت کی بقا کی خاطر بڑی طاقتوں کی حمائت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رضا خان اسی طرح تھا۔ بڑی طاقتوں نے اس کی قدرت طلبی اور حب مال کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا۔ اسی خاطر امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت مالک اشترؒ کو لکھے گئے خط میں فرمایا: کہ حریص انسانوں سے مشورہ نہ کرنا کیونکہ وہ حرصِ ستم کو تیرے لئے مزین بنا کر پیش کریں گے اور اس کا سرچشمہ خداوند تعالیٰ پر سُوءِ ظن ہے۔ (مدیریت وسیاست ص ۵۰)

حرص اس لئے بھی خطرناک ہے کہ آخری عمر تک انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور انسان کے وجود میں عمیق سے عمیق تر ہو جاتا ہے۔

امام خمینیؒ اپنے فرزند ارجمند کو وصیت میں فرماتے ہیں:

''اے میرے عزیز بیٹے میں اب ناتوان ہو گیا ہوں اور انسان جیسے جیسے بوڑھا ہوتا جاتا ہے دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی جاتی ہیں، حرص وطولانی امید؛ آپ تو نعمت جوانی سے بہرہ مند ہیں اور قدرتِ ارادہ کے مالک ہیں۔ امید ہے آپ صالحین کی راہ پر چل پائیں۔''

(صحیفہ امامؒ ج ۱۸ ص ۵۱۱)

۴۔ دشمنی:

''انما المومنون اخوۃ'' بے شک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (حجرات ۱۰)

قرآن کے مطابق تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان کی آپس میں دشمنی اور کینہ خلافِ اسلام ہے۔ مسئولین اپنے ہم منصب اور دوسرے مسئولین سے دشمنی سے پرہیز کریں۔ عہدیداروں کے درمیان دشمنی، امکانات اور وسائل کے ضائع ہونے کا سبب بنتی ہے اور دشمن اس سے اپنے مقاصد کیلئے استفادہ کرتے ہیں اور صالح اور ایماندار افراد کو میدان سے باہر نکال کے معاشرہ پر مسلط ہو جاتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ان للخصومة قحما وان الشیطان لیحضرھا و انی لا کرہ ان احضرھا''

''نزاع و دشمنی نابودی کا ایسا مقام ہے جہاں شیطان حاضر ہوتا ہے اور میں ایسی جگہ حاضر ہونے کو ناپسند کرتا ہوں۔'' (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۹ ص ۱۰۷)

امام خمینیؒ بھی مملکت اسلامی کے عہدے داروں کو وحدت کی دعوت دیتے ہیں اور دشمنی و عداوت سے منع کرتے ہوئے بار بار اس امر پر تاکید کرتے ہیں کہ دشمنی اہل جہنم کی روش ہے۔

''میں امیدوار ہوں کہ تمام حکومتی عہدے دار آپس میں مل کر کام کریں اور دوستی کو روا رکھیں۔ پارلیمنٹ کے نمائندگان بھی آپس میں بھائی چارہ سے رہیں۔ آپ سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ آپ سب چاہتے ہیں کہ اسلام تحقق پیدا کرے۔ ہم آپس میں کیوں ایک دوسرے سے عداوت رکھیں۔ برادری و بھائی چارہ کا تعلق ایسے امور سے ہے جس کے بارے قرآن فرماتا ہے۔ مومنین اس جہان اور آخرت میں بھائی بھائی ہیں۔'' (صحیفہ امام ج ۱۶ ص ۱۴۰)

اور فرماتے ہیں:

''ہمارے تمام کام، عقائد و اخلاق یہ سب کچھ آخرت میں دیکھے جائیں گے اور مجھے امید ہے کہ ہم بھائی چارہ کو یہاں پر مستحکم کریں گے تا کہ آخرت میں بھی برادری کی صورت ہی منعکس ہو اور آپس میں وہاں بھی بھائی بھائی ہوں، دشمنی اور عداوت اہل جہنم کا کام ہے۔ اہل جہنم جن مشکلات میں مبتلا ہیں ان میں سے ایک دشمنی و عداوت ہے جو ان کی آپس میں ہے وہ جنگ اور نزاع ہے جو آپس میں رکھتے ہیں۔ کتوں کی طرح ایک دوسرے پر لپکتے ہوں گے اور اہل بہشت کی کرامتوں میں سے ایک باہم محبت اور بھائی چارہ ہے، برادری اور دوستی ہے۔ یہ سب کچھ حتماً یہیں پر اور اسی دنیا میں عملی صورت میں انجام پانا چاہیے۔'' (صحیفہ امامؒ ج ۱۶ ص ۱۴۰)

امام خمینیؒ کی نگاہ میں طریقہ کار کا اختلاف عادی بات ہے اور وہ قائل ہیں کہ ایسے مواقع پر بحثیں طلاب کی بحثوں کی طرح ہونی چاہئیں۔

اختلاف نظر کے باوجود بحث کرنے کے بعد آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اکٹھے ہوتے ہیں لیکن اگر ہم آپس میں دشمنی اور عداوت رکھیں تو ہمارا تعلق اہل جہنم سے ہوگا اور ہم عذاب میں مبتلا ہوجائیں گے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۳ ص ۱۰۲)

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''من بالغ فی الخصومة آثم''

''جو بھی دشمنی کی حد تک چلا جائے گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔'' (نہج البلاغہ فیض حکمت ۲۹۸)

ایک اور جگہ پر فرماتے ہیں:

''ایاك والخصومة فانها تشغل القلب و تورث النفاق و تکسب الضغائن''

''دشمنی سے اجتناب کرو کیونکہ یہ دل کو مشغول کرتی ہے، نفاق کا سبب اور کینہ کا موجب بنتی ہے۔'' (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۴۳)

اختلاف کو آپس میں حل کیا جاسکتا ہے اور مسئولین کو ایک دوسرے کی ہتک اور پارٹی بازی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

''ہم اگر آپس میں اختلاف سلیقہ یا نظر رکھتے ہیں تو ایک پرسکون ماحول میں گفتگو سے آپس کے مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ پارٹی بازی سے اجتناب کریں اور جو مملکت یا نظام کو کمزور کرنے کی کوشش کریں یہ اسلام سے وفادار نہیں اور دیدگاہ سیاسی سے بھی بے خبر ہیں۔''

۵۔ زور وزبردستی:

زور وزبردستی اور ظلم ایسے ناپسندیدہ افعال ہیں جن سے اسلام میں سختی سے منع کیا گیا ہے۔ ظلم، بغی، جور و جفا مترادف الفاظ ہیں جن کے معنی دوسرں کے حقوق میں تجاوز کرنا یا انہیں کسی کام پر مجبور کرنا ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: ''جمہوری اسلامی میں زور وزبردستی اور ظلم نہیں ہے'' (صحیفہ امام ج ۶ ص ۵۲۵)

جمہوری اسلامی اوراس سے پہلے کے انتخابات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انتخابات میں زور گوئی اور جبر نہیں ہے یعنی کسی کو ووٹ دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ فیصلہ عوام کے ہاتھوں میں ہے۔''

''ہم اپنی مرضی سے ووٹ ڈالنے کیلئے جائیں گے نہ کوئی ہم کو مجبور کرسکتا ہے اور نہ اس عمل میں جبر ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۶ ص ۴۷۵)

زور گوئی کو عربی میں ''عسف'' بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ناحق مورد میں شدت وسختی ہے اور افراد کو سختی اور طاقت سے کسی کام پر مجبور کرنا یا ناحق اور طاقت کے زور پر مالیات وصول کرنا کے ہیں۔ (شرح نہج البلاغہ عبدہ ص ۲۵۶)

حضرت علی علیہ السلام زیاد ابن ابی کو لکھتے ہیں: ''استعمل العدل واحذر العسف والحیف فان العسف یعود بالجلاء والحیف یدعو الی السیف'' اے زیاد عدالت سے معاملہ کرو اور زور وستم سے اجتناب کرو کیونکہ زور وسختی سے لوگ ہجرت پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ستم کی وجہ سے لوگ قیام اور شمشیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔'' (نہج البلاغہ فیض الاسلام حکمت ۴۶۸)

امام خمینیؒ فرماتے ہیں: ''تمام احباب احساس کریں کہ اب یہ زمانہ شاہ کی حکومت سے مختلف ہے۔ تب ایک شخص کی حکومت تھی جو دوسروں سے زور گوئی اور دباؤ سے ملت پر کسی کام کو ٹھونستا تھا۔ اب ہمارے پاس ایسا کوئی عہدہ نہیں اور ہماری ملت ایسے عہدے کے تحمل کی طاقت نہیں رکھتی۔ اگر کوئی عہدے دار اپنی مرضی مسلط کرنے لگے تو اسے روکا جائے گا۔'' (صحیفہ امام ج ۱۲ ص ۲۱۴)

عوام کو جان لینا چاہیے کہ جمہوری اسلامی میں زور اور طاقت کی حکومت نہیں۔ اور کسی عہدہ دار کو حق نہیں پہنچتا کہ ماضی کی طرح طاقت کی زبان میں بات کرے۔ دولت مندوں کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ مزدوروں سے حد سے زیادہ کام لیں اس طرح کے کام ظلم وستم ہیں جن کا جمہوری اسلامی میں تصور نہیں۔

''جمہوری اسلامی میں ظلم نہیں، جمہوری اسلامی میں مسائل زور وزبردستی پر مبنی نہیں۔امیر طبقہ غریبوں سے زوروزبردستی سے پیش نہیں آسکتا اور نہ ان کو ان کے حقوق سے محروم کرسکتا ہے اور نہ کم اجرت کے عوض انہیں زیادہ کام پر مجبور کرسکتا ہے۔'' (صحیفہ امام ج۶ ص۴۶۱)

ماضی میں فوج عوام پر ظلم کی خاطر استعمال کی جاتی تھی، رضا خان طاقت سے دوسروں کی زمینوں پر قبضہ کرلیتا تھا، طاقت کی زبان میں ہی بات کرتا تھا، علماء کے ساتھ بھی طاقت کی زبان میں ہی بات کرتا تھا۔مگر انقلاب کے بعد فوج عوامی خدمات کے کام میں مصروف ہے اور حکومت بھی عوام کی خدمت گزار۔

''تمام مسلح طاقتیں عوام کی خدمت کی خاطر ہیں نہ کہ ان پر ظلم وستم کیلئے، حکومت اور اس کے عہدہ دار عوام کے خدمت گزار ہیں مالک وسردار نہیں۔'' (صحیفہ امام ج۳ س۴۰۳)

نظام اسلامی میں ولائت فقیہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور اس نے اپنی مشروعیت کو آئمہ علیہم السلام کی ولائت سے کسب کیا ہے۔

انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد الحادی اور ضدانقلاب طاقتوں نے تنقید کے دروازے کھول دیئے اور کہنے لگے یہ نظام بھی ظلم و استبداد پر مبنی ہے اور صرف طریقہ کار تبدیل ہوا ہے۔امامؒ نے اس شبہ کا جواب دیا اور کہا کہ ولائت فقیہ اور حکومت اسلامی قانون کی حکومت ہے اور فقیہ ہرگز عوام سے زوروزبردستی سے پیش نہیں آسکتا اور کبھی عوام سے طاقت کی زبان میں بات نہیں کرسکتا اور اگر فقیہ زوروزبردستی سے کام لے تو اُس کی ولائت منسوخ ہوجاتی ہے۔

''آپ ولائت فقیہ سے خوف نہ کھائیں۔فقیہ عوام سے زورگوئی سے پیش آنا نہیں چاہتا۔اگر فقیہ زورگوئی سے کام لینا چاہے تو اس کی ولائت منسوخ ہوجائے گی۔اسلام میں حاکمیت، قانون کی ہے۔'' (صحیفہ امام ج۱۰)

۶۔ بدعنوانی:

بدعنوانی کا تعلق رذائل اخلاقی سے ہے جو مسئولین اور عہدہ داروں کو لاحق ہوتا ہے جس کی بدولت ادارہ زوال کا شکار، بے خاصیت اور خدمت اسلامی میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد معاشرہ میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کی بدولت عوام کچھ عرصہ تک تو ماضی کے مفاسد سے محفوظ رہے مگر یہ امکان موجود تھا کہ شاہ کی حکومت سے وابستہ افراد افراتفری کا سبب بنیں اور عوام کو پریشان کرنے کا باعث بنیں گے۔ اور یہ خطرہ بھی موجود تھا کہ ممکن ہے ایسے ناصالح افراد اہم حکومتی اداروں میں داخل ہو جائیں اور حکومتی عہدہ داروں کی خرابی کا سبب بنیں۔ اس خطرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام خمینیؒ نے اہم عہدہ داروں کو متنبہ کیا اور فرمایا:

''اب ایسے زخمی سانپوں سے غافل نہیں ہونا چاہیے ممکن ہے کچھ نا اہل افراد کے ذریعے صالح انسانوں کو منحرف کریں اور وفاداروں کو خود سے منسلک۔ اس امر سے غفلت تباہ کن ہے۔ تمام مقامات مخصوصاً اہم عہدے ان کے مورد نظر ہیں۔ ممکن ہے ان کا انحراف پوری حکومت کے انحراف میں تبدیل ہو جائے۔ پس چھوٹی سی کوتاہی کو ہمیشہ بڑا سمجھیں اور برائی کو ہمیشہ اس کی بنیاد سے روک تھام کریں۔'' (صحیفہ امام ج۱۹ ص ۳۷۰)

یہ خطرہ اب ماضی سے زیادہ مطرح ہے اور مسئولین کو اس نکتہ پہ توجہ کرنی چاہیے کہ بدعنوانی بتدریج معاشرہ میں داخل ہو کر بڑے بحران کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ امام خمینیؒ پارلیمنٹ کے نمائندگان سے ملاقات کے دوران اس خطرہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور انہیں متنبہ کرتے ہیں کہ انحراف ایک دفعہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ پیدا ہوتا ہے۔ تدبیر کے ساتھ پہلے ہی دن فساد کا سدباب کیا جائے۔

فساد کی روک تھام کیلئے امامؒ چند نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اختصار کے ساتھ ان پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

الف۔مراقبت:

انحراف کی روک تھام کیلئے مراقبت بذات خود ایک پسندیدہ امر اور خودسازی کی شرط اول ہے۔امامؒ اس یقین پر تھے کہ بعض افراد کو اپنی مراقبت پر معین کریں تا کہ لغزش کے وقت آپ کو روکیں اور دوسروں کی مراقبت بھی کریں تا کہ انحراف سے محفوظ رہیں۔مسئولین کو فرماتے ہیں:

''اب جو بھی افراد جمہوری اسلامی میں خدمت پر گامزن ہیں خواہ سفرا ہوں اور ان کا تعلق خارجہ امور سے ہو یا سپاہ پاسدران سے منسلک ہوں یا انتظامی یا فوجی قیادت سے تعلق رکھتے ہوں یا پارلیمنٹ میں مصروف خدمت افراد یا عدلیہ یا ایگزیکٹو پاور سے ہو،سب اپنی مراقبت میں رہیں۔''

(صحیفہ امام ج۱۶ص ۴۶۳)

امام نے اپنی گفتگو میں اسلامی انجمنوں کو متنبہ کیا کہ متوجہ رہیں ناصالح افراد جو اسلام کی صدا بلند کرتے ہیں مگر باطن میں منافق ہیں تمہاری صفوں میں داخل نہ ہوں۔اور یونیورسٹیوں میں انحراف کا سبب نہ بنیں۔(صحیفہ امام ج۱۷ص ۱۱۲)

ب۔اصلاح:

کرپشن کی روک تھام کیلئے امام ایک اور نقطے کی جانب توجہ کرواتے ہیں وہ مختلف اداروں کی صورتحال کی اصلاح ہے۔جو بھی جس ادارہ میں مسئولیت رکھتا ہے اس ادارہ یا وزارت کی اصلاح کرے۔

''آقای کنی (مہدوی کنی) وزارت داخلہ میں ہیں اس وزارت کی طرف توجہ کریں اور اصلاح کریں اور جو فرد کسی اور وزارت میں ہے وہ بھی اپنے وزارت خانہ کی اصلاح کرے اور جو جس مقام یا علاقہ میں ہے اس کی اصلاح کرے۔مملکت اس معاشرہ سے عبارت ہے اور معاشرہ کی اصلاح کی جانی چاہیے۔''

ج۔اداروں کو پاک کرنا:

امام خمینیؒ مراقبت اور اصلاح کی سفارش کرنے کے بعد اداروں کو پاک کرنے پر تاکید کرتے تھے اگر افراد ناپاک اور کرپٹ ہوں اور ان کی اصلاح بھی ناممکن ہو تو اداروں کو ان سے پاک کیا جائے تاکہ ادارہ اور نظام عوام کی خدمت کیلئے مشغول کار ہو۔

''البتہ وزارتوں اور اداروں کی پاکسازی و دوبارہ تعمیر ایک ضروری امر ہے کیونکہ سابقہ حکومت میں متعدد افراد ان وزارتوں اور اداروں میں موجود تھے جو اس کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔شاید ان میں بہت سے ضدِ انقلاب تھے، انقلاب کی کامیابی کے بعد ضروری تھا کہ کرپٹ افراد کی شناخت کی خاطر مختلف گروہ موجود ہوں تاکہ ایسے افراد جو جمہوری اسلامی کیلئے نقصان دہ اور عوامی ناراضگی کا باعث بنیں ان کو نکالا جائے۔'' (صحیفہ امام ج۱۰ص ۹۲)

اور ایسے روشن فکر جو انقلاب کے خلاف تبلیغ کیلئے بہانوں کی تلاش میں ہیں ان سے بے خوف رہیں۔'' آپ ان روشن فکر گروہوں سے جو اپنی تحریروں سے تباہ کاریوں میں مصروف ہیں ان سے ہرگز خوف نہ کھائیں وہ خود کو بااثر بنانے کیلئے بہانوں کی تلاش میں ہیں تاکہ جو ان کا جی چاہے وہی کہہ سکیں۔'' (صحیفہ امام ج۱۲ص ۳۲۵)

امام اساتذہ کو نصیحت کرتے ہیں کہ ایسے افراد کی تربیت کریں جو کرپشن کے خواہش مند نہ ہوں ایک دن ایسے افراد کی خرابیوں کے نقصانات آپ تک بھی پہنچ جائیں گے۔(صحیفہ امام ج۷ص ۲۸۶)

۷۔ قدرت طلبی:

قدرت طلبی ایک ایسی صفت ہے جو ممکن ہے ایک مسئول کو انحراف اور فساد میں مبتلا کرے۔کتب اخلاقی میں اسے جاہ طلبی کہا جاتا ہے اور اس کا تعلق خطرناک ترین گھاٹیوں میں سے ہے جو دنیاوی واخروی آفات پر مشتمل ہے۔(علم اخلاق اسلامی ج۲ص ۴۶۱)

امام خمینیؒ متعدد مقامات پر جاہ طلبی جو کہ حُب نفس کا سرچشمہ ہے کی طرف توجہ مبذول

کرواتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''ہماری سب سے بڑی مشکل حب نفس وحب جاہ وشہوت ہے یعنی میں چاہوں کہ مجھ سے ایسا کام سرانجام پائے جس کی بدولت لوگ مجھے داد دیں۔

(صحیفہ امام ج ۱۴ ص ۱۴)

قرآن کریم انسان کو قدرت طلبی اور حب جاہ ومقام سے متنبہ کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ آخرت کو ان افراد کے لائق سمجھتا ہے جو دوسروں پر برتری کے طالب نہ ہوں اور معاشرہ میں فساد سے اجتناب کرتے ہوں۔

''تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا فى الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقين''

''آخرت کا گھر ان لوگوں کیلئے قرار دیں گے جو زمین پر برتری اور فساد کے خواہاں نہ ہوں اور عاقبت تو صرف متقین کیلئے ہے۔'' (قصص ۸۳)

رسول خداؐ مقام ومال کی دوستی کے خطرہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''مسلمان کے دین کے لئے حُب جاہ ومال کا خطرہ بھیڑوں کے گلہ میں داخل ہونے والے دو بھیڑیوں سے بیشتر ہے۔'' (علم اخلاق اسلامی ج ۲ ص ۴۶۲)

امام خمینیؒ قدرت طلبی کو باعث شکست سمجھتے ہیں اور اگر حکومت کے اہم اداروں اور نظام میں قدرت طلبی اور مال طلبی پیدا ہو جائے تو شکست کا پیش خیمہ ہے۔ ''جس روز دیکھیں کہ پارلیمنٹ ،وزراء یا صدر میں قدرت طلبی یا مال طلبی کا انحراف پیدا ہو گیا تو سمجھیں کہ ہم شکست کھا گئے اس وقت ضروری ہے اس انحراف کا قلع قمع کیا جائے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۶ ص ۲۳)

امامؒ کے کلام میں یہ نقطہ مہم ہے کہ افراد، قدرت اور مال طلبی کی راہ پر چل نکلیں تو ان کی یہ خواہش قوی سے قوی تر ہوتی جائے گی اور وہ قدرت طلبی وکسب مال کی خاطر زیادہ سے زیادہ کوشش کریں گے اور قدرت اور مال کو اپنا اصلی ہدف سمجھیں گے۔ عوام کی خدمت بھول جائیں گے اپنے

مذموم مقاصد میں معاون افراد کی مدد کریں گے اور جو ان کی قدرت کو محدود اور مال کو کم کریں ان سے مقابلہ کریں گے اور دونوں اہداف کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے کسی قانونی اور اسلامی اصول کا خیال نہیں کریں گے۔ بیرونی طاقتیں ان کی اس کمزوری سے استفادہ کرتے ہوئے ان کی اسی خواہش کی تقویت کریں گے اور ایسے افراد بڑی طاقتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم ہوتے ہیں۔

ایسے افراد کے بارے میں امام فرماتے ہیں: ''اپنے سے بڑی طاقتوں کے سامنے خاضع ہیں اور کمزوروں اور اپنی ملت کے مقابل جابر و ستمگر۔'' (صحیفہ امام ج ۱۶ ص ۴۴۲)

روایات میں حُبِ ریاست سے منع کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے

''حب الدنیا رائس کل خطیئة''

''حب دنیا ہر برائی کی جڑ ہے۔'' (الکافی ج ۲ ص ۳۱۵)

سفیان بن خالد امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں:

''ریاست طلبی سے اجتناب کرو کیونکہ جس نے بھی اس کی خواہش کی وہ ہلاک ہو گیا'' وہ کہتا ہے میں نے عرض کیا آپ پر فدا ہوں ہم بھی ہلاک ہو گئے کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو یہ نہیں چاہتا کہ اس کا نام نہ لیا جائے، مورد توجہ واقع نہ ہو اور عوام، اس سے دریافت نہ کریں۔ تو حضرتؑ نے فرمایا:

''لیس حیث تذهب الیه انما ذلك ان تنصب رجلا دون الحجة فتصدقه فی کل ما قال و تدعو الناس الی قوله''

''جیسا آپ نے گمان کیا ایسا نہیں ہے بلکہ ریاست طلبی سے مراد ہے کسی فرد کو اس کی عدم شائستگی کے باوجود کسی عہدہ پر منصوب کرو، ہر بات میں اس کی تصدیق کرو اور لوگوں کو اس کی گفتگو سننے کی خاطر دعوت کرو۔'' (سیاسی کارگزاران ج ۲ ص ۲۴۳)

یعنی اصلی ہدف، قدرت اور مال طلبی ہو اور اس ہدف کو حاصل کرنے کی خاطر نااہل افراد کو

عہدوں پر نصب کرو۔ایسی ریاست طلبی اور قدرت خواہی شکست کا باعث بنتی ہے۔اس خاطر امامؒ فرماتے ہیں:

''قدرت طلبی جس کی طرف سے بھی ہو اس کا سرچشمہ شیطانی ہے اور یہ موجب شکست ہے۔امریکی صدر قدرت طلبی کا خواہاں ہو، مدرسہ کا طالبعلم یا ایک امام جمعہ۔''

(صحیفہ امام ج۱۹ ص۲۴۹)

امامؒ ایسی انجمنوں اور پارٹیوں پر تنقید کرتے ہیں جو جاہ طلب ہیں اور سپر پاورز کی خدمت گزاری کیلئے کوشاں ہیں چاہے ماضی جیسی صورتحال ہوجائے،تمام محنتیں اور کوششیں بھلا دی جائیں اور شہداء کا خون پامال ہو جائے اور امریکہ اور روس کی خدمت گزاری کی خاطر کوشش کریں۔(صحیفہ امام ج ۱۳ ص ۴۴۰)

امام ایسے افراد کو احمق سمجھتے ہیں کہ جاہ طلبی نے جن کو نابینا کر دیا ہے اور اپنی عقل سے محروم ہو گئے ہیں۔(صحیفہ امام ج۱۶ ص ۱۸۲)

جاہ طلبی کا اصلی سبب خود خواہی وحب نفس ہے اور اس کی روک تھام تزکیہ اور خودسازی کے ذریعے ممکن ہے اور متوجہ رہنا چاہئے کہ یہ مقام ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔امام راحلؒ مسئولین کی جاہ طلبی کی روک تھام کیلئے ایک اور راہ حل پیش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں جن افراد کو مسئولیت دی جائے وہ معاشرہ کے متوسط طبقہ سے ہوں نہ کہ امیر اور ثروت مندوں سے جن کو عوام سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔کیونکہ ایسے مسئولین خود عوام میں سے ہوں گے لہٰذا تمام افراد حکومت کے مدافع ہوں گے۔(صحیفہ امام ج۱۶ ص ۲۲)

۸۔ کام چوری:

کام چوری ان بری صفات میں سے ہے جن سے مدیر اور مزدور طبقہ دوچار ہوسکتا ہے اور اپنی کام چوری سے عوام کیلئے مشکلات پیدا کرسکتا ہے۔اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ایسے

گروہ موجود تھے جو نظام و انقلاب اسلامی سے مخالفت اور شاہ سے روابط رکھتے تھے وہ کاموں کو انجام دینے میں کوتاہی کرتے تھے اور امام اس بارے میں تذکر دیتے ہیں کہ یہ کم کاری اگر ماضی کی حکومت کی طرف داری کی خاطر ہے تو انہیں اداروں سے نکالنا چاہیے اور اگر عوام کا حصہ ہیں تو جان لیں کہ اس کام کے عوض جو معاوضہ لیتے ہیں وہ حرام ہے اور فرماتے ہیں: ''بعض اوقات سنتا ہوں کہ بعض اداروں میں افراد کام کم کرتے ہیں یا بعض اوقات بیکار رہتے ہیں۔ یہ میرے لیے تعجب کا باعث ہے خدانخواستہ ایسے افراد کا تعلق اگر ماضی کی حکومت سے ہے اور ان کی طرف داری کی خاطر ایسا کر رہے ہیں تو ان کی نشاندہی اور نکال دینا چاہیے اور اگر ان کا تعلق عوام سے ہے اور اسلام اور انقلاب کے وفادار ہیں، تو میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک شخص اپنے ملک سے محبت کرتا ہو اور اس سے تنخواہ لیتا ہو لیکن کام نہ کرتا ہو، بالآخر یہ جو تنخواہ لیتے ہیں اسی کام کے بدلے میں لیتے ہیں اور اگر کام کم کریں تو یہ معاوضہ حرام ہے اور اس کا استعمال جائز نہیں۔'' (صحیفہ امام ج ۱۰ ص ۲۰۰)

اور فرماتے ہیں: ''ملت کے تمام افراد اس فکر میں رہیں کہ اب مملکت اسلامی ہے لہٰذا سب دستورات اسلام کے مطابق بجالائیں کام میں کمی یا انحراف نہ کریں اور صداقت، امانت اور خدا پر توجہ سے عمل کریں۔'' (صحیفہ امام ج ۹ ص ۱۴۳)

امام راحلؒ سبھی سے خواستگار تھے کہ اپنے وظائف کو صحیح، باموقع اور کم کاری کے بغیر انجام دیں بالخصوص اگر کم کاری حدود الٰہی کے ختم ہونے کا سبب بنے۔ آپؒ عدلیہ کی شورائے عالی کو لکھے گئے ایک خط میں متنبہ کرتے ہیں کہ اگر کم کاری و کم چوری سے کام لیں تو بطور مستقیم مداخلت کریں گے۔

''میں حدود و حکم الٰہی کے ترک کا تحمل نہیں رکھتا اگر کام چوری ہوئی تو جس طرح پہلے چند موقعوں میں دخالت کی ہے اسی طرح براہِ راست مداخلت کروں گا۔'' (صحیفہ امام ج ۲۱ ص ۲۴۲)

غیر مسلم اور ضدِ انقلاب گروہوں کا ایک کام یہ تھا کہ کاریگروں اور مزدوری کی حمائت اور

طرف داری اور ان کے حقوق کے دفاع کے بہانے چاہتے تھے کہ فیکٹریوں اور کارخانوں کی تعطیل کریں اور ہڑتال کریں۔ انہوں نے جو بھی کوشش کی مزدوروں کو کام چوری اور ہڑتال پر آمادہ نہ کر سکے، مزدوروں اور کاریگروں نے اپنے کام کو جاری رکھا اور اعلان کیا کہ کم کاری اور ہڑتال کی دعوت جہاں سے بھی ہو ملک اور نظام اسلامی سے خیانت ہے۔

''آج بے کاری، کام چوری اور ہڑتال کی دعوت اس ملک اور جمہوری اسلامی سے خیانت ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۱۴ ص ۴۶)

بنا برایں کام چوری خیانت بھی ہے اور امانت اور صداقت کے برخلاف بھی ہے اور جو رقم کام چوری کے عوض لی جاتی ہے حرام اور غیر شرعی ہے۔ ممکن ہے یہ کام چوری آج بھی موجود ہو مگر اس کا حکم ماضی سے مختلف نہیں ہے۔

والسلام